بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرد الثانی علی شبہات الشیعة فی قضیة المتعة

کچھ عرصہ قبل ایک رافضی شیعہ ''خیر طلب'' نے متعہ کے حوالے سے اپنی ایک تحریر شائع کی۔ احقر نے اس کا جواب لکھا جس میں احقر نے متعہ کے حوالے سے خیر طلب کے دلائل کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ خیر طلب کو بھی مجبوراً جواب لکھنا پڑا، لیکن انہوں نے احقر کے جواب کو من وعن نقل کر کے اس پر جرح کرنے سے صاف گریز کیا، نیز جن عبارات کو نقل کرنے کی زحمت فرمائی، ان میں بھی تحریف سے گریز نہ کیا۔ خیر طلب چونکہ بڑھکیں مارنے کے انتہائی شوقین ہیں، اور اپنی تحاریر کو ''دندان شکن'' قرار دیتے ہیں، اس لئے ہم نے سوچا کہ ان کے جواب پر ایک اور جرح کر کے قارئین پر ان کے دلائل اور ان کے ''دندان شکن'' جوابات کی حقیقت واضح کر دی جائے۔

قولہ : سابقہ تحریر میں اس مسئلہ پر ہم نے بہت سارے علماء اہلسنت کے اقوال نقل کئے جو اسے نکاح المتعہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم اس بات کو بخوبی جانتے ہیں اور اس کا ذکر بھی کر چکے ہیں کہ علماء اہلسنت اس کو منسوخ مانتے ہیں۔ اس بحث کا تعلق اس بات سے ہرگز نہیں تھا کہ اس کے نسخ یا اس کے عدم نسخ پر فیصلہ کیا جائے بلکہ بدیہی طور پر یہ بات عرض کرنا تھی کہ متعہ ہرگز زنا میں نہیں آتا۔ اگرچہ اس کو جائز قرار نہ دینے والے اگرچہ نہ دیں۔ اس سلسلے میں کلام صاحب اس کی منسوخیت کا تقارن وقیاس دیگر اشیاء سے کرنے لگے۔ کلام صاحب ہمیں سود وغیرہ کی مثالوں سے سمجھا رہے ہیں کہ فلاں چیز حلال تھی بعد میں حرام ہوگئی، بیشک کلام صاحب ہمیں کوئی مسئلہ نہیں منسوخ کے ماننے پر۔ خود علماء اسلام نے کافی کتب ناسخ منسوخ کے حوالے سے لکھی ہے۔ لیکن بحث سردست اس کے زنا ہونے یا نہ ہونے پر تھی جس کا اس کی منسوخیت سے کوئی تعلق نہیں۔ کلام صاحب نے ہمیں سود و دیگر اشیاء کی مثال دی تو کلام صاحب سود ہو، شراب ہو جن کی حرمت نازل ہوئی، ان قبیح چیزوں کے بارے میں ایک تحدی دیتا ہوں کہ کیا رسول ص نے:

۱، ان افعال کو کرنے کا حکم دیا؟

۲، ان افعال کی طرف توجہ کو ملتفت کی؟

۳، ان افعال کو کسی برائی سے بچنے کا سامان بھم قرار دیا؟

ہرگز نہیں اور ہرگز نہیں۔ بلکہ ان قبیح چیزوں کی حرمت جس میں وہ تمام مزعوم طریقہ رھط، بغایا، حزن اور استبضاع

آجاتے ہیں۔ کسی روایت صحیحہ ومشہورہ سے آپ ثابت کرسکتے ہیں کہ ان تمام فصیح وقبیح چیزوں پر اوپر کے تین احکامات منطبق ہوتے ہوں؟

اقول: خیر طلب کے دلائل کی قلعی کھلنے کے بعد انہوں نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ متعہ کا حکم دیا گیا، لیکن ان دیگر افعال کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ یاد رکھئے، میں نے رہط، حزن اور استبضاع کا تذکرہ اس دلیل کے جواب میں کیا تھا جس میں خیر طلب نے کہا تھا کہ چونکہ متعہ کو نکاح کہا گیا ہے، اس لئے متعہ زنا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا میں نے کہا کہ رہط، حزن اور استبضاع کو بھی نکاح کہا گیا ہے، خیر طلب کے پاس چونکہ اس کا جواب نہیں تھا، اس لئے اس نے یہ بہانا بنایا ہے کہ سود، شراب، نکاح مع الکافرہ وغیرہ کا حکم نہیں دیا گیا تھا لیکن متعہ کا حکم دیا گیا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کا نکاح ایک غیر مسلم سے کیا۔ لیکن آج کافر کے ساتھ نکاح کو حرام سمجھا جاتا ہے، اور قبیح بھی سمجھا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سودی کاروبار کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو روکا کیوں نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس وقت سود مباح تھا، اور چونکہ زمانہ جاہلیت میں بھی ایسا ہوتا رہا، اس لئے حکم دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ ہاں جب سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں خود روکا۔ لیکن متعہ کا جو حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا، تو جان لینا چاہئے کہ دراصل یہ رخصت تھی۔ یہ بات تو بالکل ذہن سے نکال دینی چاہئے کہ اس کا حکم نکاح کی طرح دیا گیا تھا۔ نکاح دائمی رخصت نہیں بلکہ اس کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا۔ جبکہ متعہ کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ روایات کو ملا کر اس کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہی کافی ہے جس سے خیر طلب نے متعہ کی اباحت ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس میں ہی متعہ کے مطلقاً مباح ہونے کی نفی ہوتی ہے، اس لئے کہ اگر متعہ مطلقاً مباح ہوتا، تو رسول اللہ ﷺ جہاد کے مواقع پر ہی اس کی اجازت کیوں دیتے۔ اور اگر متعہ مطلقاً مباح ہوتا، تو آخر صحابہ یہ عرض ہی کیوں کرتے کہ (الا نستخصی) یعنی کیا ہم خود کو خصی نہ کرلیں؟ حضرت عبداللہ بن مسعود کے یہ الفاظ اسی روایت میں ہیں جس سے خیر طلب نے متعہ کی حلت کو ثابت کرنا چاہا تھا۔ پھر اسی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا (**ثم رخص لنا ان ننکح المرأة بالثوب الی اجل**) یعنی پھر ہمیں اس کی اجازت دے دی کہ ہم کسی عورت سے ایک کپڑے پر (ایک مدت کے لئے) نکاح کرلیں۔ یہاں پر رخص لنا کا مطلب ہے ہمیں رخصت دی گئی۔ امید ہے اب یہ بات واضح ہوچکی ہوگی۔ اگلی روایت میں لفظ امر کا مطلب بھی رخصت کے معنوں میں ہی لیا جائے گا، اور اسی میں ہی روایت کا مفہوم ٹھیک سمجھا جاسکتا ہے۔

قوله : متعہ کا حکم رسول ص نے دیا اور اس فعل میں اہلسنت روایات کے مطابق معیت اختیار کی۔

چنانچہ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے:

حدثنی حامد بن عمر البکراوی ، حدثنا عبد الواحد ، عن عاصم ، عن أبی نضرة، قال : کنت

عند جابر بن عبداللهفأتاه ات فقال : إن ابن عباس و ابن الزبير اختلفا في المتعتين ، فقال جابر
-: فعلناهما مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ، ثم نهانا عنهما عمر

ابونضرہ فرماتے ہین کہ ہم جابر بن عبداللہ انصاری کے پاس موجود تھے پس ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ ابن عباس اور ابن زبیر دو متعہ یعنی متعہ النساء اور متعہ الحج کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں۔ پس جابر نے کہا کہ ہم نے ان دونوں متعہ کو رسول ص کی معیت یعنی ساتھ انجام دیا۔ اس کے بعد عمر نے ہمیں ان دونوں سے ہمیں منع کر دیا۔

حواله : صحيح مسلم ، رقم ١٢٤٩ و ١٤٠٥، الناشر : دار إحياء التراث العربي - بيروت

ادھر لفظ مع بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب سورہ توبہ کی آیت غار سے استدلال کے موقع پر ''ان اللہ معنا'' میں مع یعنی ساتھ ہونے پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ شاید کوئی یہ کہے کہ ادھر ساتھ سے مراد بذات خود رسول ص کا انجام دینا مراد نہیں بلکہ اس سے رسول ص کی فقط رضامندی مراد ہے اس فعل پر۔ ہم یہ کہیں گے کے چلیں آپ کا اپنا قیاس اپنی جگہ۔ لیکن کم سے کم ادھر جس متعہ کو زنا قرار دیا جاتا ہے جو اہلسنت کے بقول رسول ص زمانہ جاہلیت کی وجہ سے بند کروانا چاہتے تھے، جس کی حرمت کی ہمیشہ سے کوشش ہو رہی تھی، اس پر رضامندی رسول ص ان تمام باطل قیاسوں کو جڑ سے اکھاڑ دیتی ہے۔

اقول : لفظ مع سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ فعل انجام دیا، اور یہ کوئی قیاس نہیں، بلکہ ایک واضح حقیقت ہے۔ مع کا لفظ سیاق کے اعتبار سے مختلف معنی رکھتا ہے۔ اسی طرح **ان اللہ معنا** میں **مع** کا لفظ الگ معنی رکھتا ہے، اور **فعلناھما مع رسول اللہ** میں مع کا لفظ الگ معنی رکھتا ہے۔ **ان اللہ معنا** کا مطلب ہے، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ یہاں پر ساتھ کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالٰی کی حمایت اور نصرت مراد ہے۔ خیر طلب نے جو دلیل پیش کی ہے، انتہائی لغو ہے، اس میں دراصل آیت پر ہی اعتراض ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھی کو کہہ رہے ہیں، کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے، اس لئے خوف نہ کر۔ اگر یہاں اللہ کی حمایت ونصرت مراد نہیں، تو پھر کیا چیز مراد ہے؟ اس کی وضاحت کر دیجئے۔ اور اگر اللہ کی حمایت ونصرت ہی اس آیت میں مراد ہے، تو پھر اس میں ''مع'' کو **فعلناھما مع رسول اللہ** کے ''مع'' ساتھ کس مضحکہ خیز توجیہ کی بنا پر ہم معنی سمجھا جا سکتا ہے؟ یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کے لئے کسی کو عربی کا عالم ہونا چاہئے۔ چنانچہ ایک شخص اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ تم فکر مت کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں تمہارے ساتھ ساتھ گھومتا رہوں گا، اور کسی کا ہاتھ تم پر اٹھے گا، تو میں روک لوں گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اپنے ساتھی کو اپنی حمایت اور نصرت کی یقین دہانی کر رہا ہے۔ اب اگر کوئی یوں کہے کہ میرے ساتھ میرا گدھا بھی تھا۔ تو کیا دونوں جگہوں پر لفظ 'ساتھ' کا

مطلب ایک سمجھا جا سکتا ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ کوئی گدھا ہی ہوگا جو دونوں جگہوں پر ساتھ کا معنی ایک ہی سمجھے۔ اب کیا کوئی دعوی کر سکتا ہے کہ (فعلناهما مع رسول الله) میں وہی معیت مراد ہے جو (ان الله معنا) میں ہے۔ یہاں پر تو مراد بس اتنی سی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس کو کرتے تھے۔ اور اس میں رسول اللہ ﷺ کا بذات خود اس فعل کا انجام دینا قطعاً ثابت نہیں ہوتا، یہاں پر فقط زمانے کی بات ہو رہی ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جب ہم ہوا کرتے تھے۔ اور اگر مع رسول اللہ ﷺ کا مطلب فقط یہی سمجھا جائے تو بہت ساری روایات کا مفہوم سمجھنے میں انتہائی زبردست غلطی کا امکان داخل ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ (اسلم مع رسول الله تسعة و ثلاثون رجلا و امراة. ثم ان عمر اسلم فصاروا اربعين) یعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انتالیس مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر عمر اسلام لائے تو ان کی تعداد چالیس ہو گئی۔ ﴿اسد الغابه ج ۱ ص ۸۱۴﴾

اب یہاں پر اگر ہم یہ مطلب لیں کہ رسول اللہ ﷺ بھی اسلام لائے، ان انتالیس افراد کے ساتھ، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے رسول اللہ ﷺ بھی مسلمان نہیں تھے۔ جس کو کوئی بھی مسلمان تسلیم نہیں کر سکتا۔ پس یہاں پر مع کا مطلب اور ہے۔ چنانچہ ایسے الفاظ جن کے معنی ایک سے زیادہ ہو سکتے ہوں، ان کا ترجمہ کرتے وقت احتیاط سے کام لینا چاہیئے، اور مد مقابل کو زیر کرنے کے زعم میں دین کا ستیاناس نہیں کرنا چاہیئے۔

ہاں البتہ شیعہ روایات میں ضرور آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت علیؑ نے متعہ کیا۔ دیکھئے ﴿وسائل الشيعه ج ۲۱ ص ۱۰﴾ یہ روایات ضعیف ہیں، لیکن ہمارے ہاں تو ضعیف روایات میں بھی ایسا ہرگز نہیں آیا۔ اور ہرگز کا مطلب بھی لغات میں دیکھ کر سمجھنے کے بعد ایسی روایت کی جستجو کیجئے گا۔

قوله : ایک اور روایت صحیح مسلم میں بایں موجود ہے:

حدثنا إسحاق بن إبراهيم ، أخبرنا يحيى بن ادم، حدثنا إبراهيم بن سعد، عن عبد الملك بن الربيع بن سبرة الجهني ، عن أبيه، عن جده، قال : امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمتعة عام الفتح، حين دخلنا مكة، ثم لم نخرج منها حتى نهانا عنها

ربیع بن سبرہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول ص نے عام الفتح میں متعہ کا حکم دیا جب ہم مکہ میں داخل ہوئی پس ہم واپس نہیں نکلے مگر یہ کہ رسول ص نے ہمیں اس سے منع کر دیا۔ حواله : صحيح مسلم ، رقم ۱۴۰۶، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت - ہمیں اس کی منسوخیت سے فی الحال بحث نہیں اور جو ادھر حرمت متعہ کا بیان ہے، مھم چیز اس کے زنانہ ہونے کی دلیل دینا ہے اور وہ رسول ص کا حکم ہے۔

اقول : یہ روایت بھی ثابت کرتی ہے کہ متعہ کا حکم زمانہ جنگ میں دیا جاتا تھا۔ اور جہاں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس کا زنا نہ ہونا ثابت کرتے ہو، تو آپ کی عقل میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ رسول اللہ ﷺ کے منع کرنے سے یہ نکاح باطل ہوگیا؟ اور جیسے کافر اور کافرہ کے ساتھ نکاح سے منع کئے جانے کے بعد کافر اور کافرہ، جو کہ اہل کتاب سے بھی تعلق نہ رکھتے ہوں، کے ساتھ نکاح کو ہم زنا ہی کہیں گے، ورنہ کوئی مسلمان عورت کسی ہندو مرد سے شادی کرلے تو کون اس کو زنا نہیں کہے گا؟ پس چاہے متعہ ہو یا کافر سے نکاح، حرام ہونے سے قبل دونوں مباح تھے۔ اب رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہو یا نہ دیا ہو، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کا نکاح ایک غیر مسلم ابوالعاص بن ربیع سے کیا، اور اس وقت وہ غیر مسلم تھے، اسلام بعد میں لائے۔ تمہیں قول چاہئے تھا، اور یہ قول سے اقوی دلیل ہے۔ اب اس کے لئے کوئی اور بہانہ تراش لیجئے۔

قوله : ایک سلفی ویب سائٹ میں سلفی مفتی فرماتے ہے:

ولـمـا أبيحت المتعة في أول لم تكن ﴿زنا﴾ حال إباحتها، وإنما تأخذ حكم الزنا بعد التحريم واستقرار الأحكام كما هو معلوم

یعنی جب متعہ اوائل اسلام میں جائز تھا تو اس وقت یہ زنا نہیں تھا اور یہ زنا کے حکم میں جب آیا جب اس کی تحریم کا اعلان ہوا اور حکم باقی رہا جیسا کہ معلوم ہے **حواله :فقه الأسرة المسلمة، النكاح ، عقد النكاح ، الأنكحة المحرمة۔**

اس فتوی سے یہ ثابت ہوا کہ متعہ کی اباحت اس کے زنا نہ ہونے پر دال تھا لیکن جب وہ حرام ہوگیا تو وہ زنا ہوگیا۔ ماشاء اللہ کیا طرز استدلال ہے۔ یعنی زنا غیر طیب عمل ہے اور وہ غیر طیب ہمیشہ رہے گا۔ کیا مفتی صاحب یہ کہنے چا رہے ہیں کہ پہلے غیر طیب چیز کی اجازت دی اور بعد میں حرام ہوگئی۔ لیکن اس فتوے سے کم سے کم یہ پتا تو چلا کہ متعہ ﴿جملہ پورا نہیں ہے .﴾

اقــول : چلیں یہ تو ثابت ہوا کہ میں نے جو کہا، اس کی تائید سلفی مفتی نے بھی کی ہے۔ اس کی تائید صحابہ، تابعین وتبع تابعین نے بھی کی ہے۔ اور یہ کہنا انتہائی لغو ہے کہ پہلے غیر طیب چیز کی اجازت دی، اور بعد میں حرام ہوگئی۔ جب کافرہ سے نکاح جائز تھا تو اس وقت یہ غیر طیب نہیں تھی۔ شیعہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کو ابوالعاص بن ربیع ؓ کے نکاح میں دیا، جو کہ اس وقت مسلمان نہیں

تھے۔تو کیاتم رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ تسلیم کرو گے کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں کو کافر کی نکاح میں دیا، جبکہ کافر سے نکاح حرام ہے اور سراسر زنا ہے؟اس وقت تمہارا فہم اس بات کو قبول کرتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے کیا، اور اس وقت وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس لئے کہ اس وقت یہ نکاح جائز تھا، لیکن جب یہ نکاح باطل، غیر طیب، حرام وغیرہ (جو بھی لفظ خیر طلب کو مناسب لگے) قرار پایا تو اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی تو کیا، کسی مسلمان شخص کی بیٹی کا نکاح بھی کسی کافر سے نہیں کرایا، پھر متعہ کے بارے میں یہ تسلیم کرنا کیسے خلافِ عقل ہے کہ جب مباح تھا تو اس وقت یہ زنا نہیں تھا، اور جب اس کی تحریم کا اعلان ہوا، تو زنا کے حکم میں آگیا؟اس طرزِ استدلال میں خرابی ہے یا خیر طلب کے طرزِ استدلال میں، یہ قارئین خوب سمجھ سکتے ہیں۔

قولہ : کلام صاحب نے نکاح متعہ کے اول شریعت میں رائج ہونے پر جناب آدم ع کی خلقت کے بعد بہن بھائیوں کی شادی والے معاملہ سے استدلال کیا اور تاثر یہ دیا کہ چونکہ ایسا نکاح بالکل حرام ہے جو اب زنا کے حکم میں ہے جو کہ شریعت آدم ع میں حلال تھا، پس اس چیز کا قیاس متعہ والے مسئلہ پر بھی کیا جاسکتا ہے۔انہوں نے شیعی روایات کو نقل کیا اور تاثر یہ دیا کہ یہ فقط شیعی مسئلہ ہے، اہلسنت اس قضیہ کے متعلق خاموش ہے تو مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے آپ کو آپ کے گھر کی تصویر دکھادوں پھر ان روایات کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔

ابن کثیر فرماتے ہیں:

ذكره غير واحد من السلف والخلف ، أن الله تعالى -: شرع لادم عليه السلام ، أن يزوج بناته من بيه لضرورة الحال،

کافی سارے علماء سلف متقدمین ومتاخرین نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اجازت دی تھی کہ وہ حالات کے پیش نظر اپنے بیٹیوں کی شادی بیٹوں سے کریں۔

حوالہ : تفسير ابن كثير، جز ٣، ص ٧٤، الناشر- : دارالكتب العلمية، منشورات محمد علي بيضون - بيروت

باقی جہاں تک اس قضیہ کا تعلق ہے اس پر کچھ جہت سے بات کرنا چاہوں گا کیونکہ یہ قیاس مع الفارق کلام صاحب کی لغت میں وافر مقدار میں موجود ہے۔

ا۔شیعی روایات کے مطابق جناب آدم ع کی بیٹی اور بیٹوں کا ایک دوسرے سے رشتہ مختلف ہیں۔بعض اس کے وقوع ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور بعض اس کی نفی میں جیسا کہ درج ذیل روایات موجود ہیں جن کا مضمون درج ذیل ہیں:

الف ،خدا نے جناب آدم ع کے بیٹوں کے لئے جنت سے حور بھیجی جن سے ان کی شادی ہوئی اور نسل انسانی بڑھی۔

ب، بہن کا بھائی سے شادی ہونا یہ مجوس کا مقولہ ہے جو سرے سے باطل ہے، خدا کی شان سے بعید ہے۔

یہ تمام تفاصیل علام، مجلسی رح کی کتاب **بحار الانوار ، جز ۱۱ باب تزويج آدم حواء و كيفية بدء النسل منهما وقصة قابيل و هابيل و سائر اولاده** میں مل جائیں گی جس میں اس مضمون کو بہت احسن دلائل سے رد کیا گیا ہے۔

۲۔ علماء تشیع میں سے جمہور اس رائے سے متفق نہیں بلکہ جن میں بہن سے تزویج کا تذکرہ انہیں مذہب اہلسنت کے موافق ہونے کی وجہ سے تقیہ پر محمول کیا ہے۔

چنانچہ میرزا محمد مشھدی فرماتے ہے:

فمحمول على التقية، لأنه موافق لمذهب العامة

یہ روایات تقیہ پر محمول ہیں، جس کی وجہ ان روایات کا اہلسنت مذھب سے موافقت ہونا ہے۔

حواله : تفسير كنز الدقائق ، جز ۲، ص ۳۴۳

علامہ مجلسی رح نے بحار الانوار میں فرمایا:

هذان الخبران محمولان على التقية لاشتهار ذلک بين العامة

دونوں خبریں جن میں آدم ع کے بیٹا بیٹی کی شادی کی بات تھی تقیہ پر محمول ہے کیونکہ یہ مطمع نگاہ اہلسنت میں مشہور ہے۔

حواله : بحار الانوار ، جز ۱۱ ، ص ۲۲۷، طبع دار الوفاء لبنان.

اقول : میں نے قطعاً یہ کوشش نہیں کی کہ اس کو فقط شیعہ مسئلہ قرار دوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ذرا ملاحظہ کیجئے، کس طرح اپنی صحیح روایت کا رد فقط اس وجہ سے کیا جا رہا ہے کہ اس کی موافقت اہلسنت کے مذہب سے ہو رہی ہے، نہ کہ شیعہ مذہب سے۔ یعنی ضعیف روایت سے تو اہلسنت ویسے بھی دلیل نہیں پکڑ سکتے، اور اگر کہیں کوئی صحیح روایت مل بھی جائے تو اس کو بھی تقیہ پر محمول کر کے جان خلاصی کی جا سکتی ہے۔ آخر یہ بتائیں کہ پھر ہم آپ کو کہاں سے دلیل پیش کریں؟ آپ کو ضعیف بھی قبول نہیں، صحیح بھی قبول نہیں، تو آخر آپ کیا چاہتے ہیں کہ اہلسنت آپ کی کونسی روایات سے استشہاد کریں؟ یہ تو میں نہ مانوں والی پالیسی ہوگئی۔ ہم ضرور آپ کی مستند روایات سے استشہاد کریں گے، اور آپ کا "محمول علی التقیہ" والا بہانہ ہرگز تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اس کو آپ اپنے اندرونی اختلافات تک ہی محدود رکھئے۔ اور میں کہتا ہوں کہ یہ بات اس جن والی کہانی سے کئی گنا بہتر ہے، جس میں حضرت آدمؑ کے ایک بیٹے کا جنیہ (مونث جن) اور دوسرے بیٹے کا

حوریہ سے نکاح کر کے اولاد پیدا کرنا بتایا جاتا ہے، اور اس طرح نسل انسانی کو انسان، حور اور جن کے ملاپ کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے۔ پھر یہ بتائیں کہ حضرت آدمؑ اور بی بی حواؑ کی بیٹیوں کی شادی کن سے کرائی گئی؟ جنات سے یا حوروں سے؟ یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں سے؟ یا پھر ان کا نکاح ہی نہیں کرایا گیا؟ یا حضرت آدمؑ اور بی بی حواؑ کی بیٹیاں ہی پیدا نہیں ہوئیں تھیں؟

۳۔ بالفرض صحت مضمون روایت اس کا جواب ان الفاظ میں دیا جائے گا کہ اس وقت زمانہ محدود تھا اور نسل انسانی کو بڑھانے کے لئے فقط بیٹا اور بیٹی ہی موجود تھے، اس سے عام حالات میں اس کا جائز ہونا اور متعہ کا عام حالات میں جائز ہونے میں واضح فرق ہے۔
چلیں بالفرض مان لیتے ہیں کہ یہ اس وقت جائز تھا تو کلام صاحب کیا یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ جناب آدم ع کی پوری زندگی میں یہ چیز جائز رہی جب کہ اس وقت نسل انسانی اتنی بڑھ گئی تھی کہ بہن بھائی کا نکاح ناگزیر چیز نہیں تھا۔ یہ ہر نبی ص کی شریعت میں قبیح بات رہی ہے۔

اقول : بالفرض اس کو تسلیم کیا جائے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ بہن بھائی کا نکاح حضرت آدمؑ کی شریعت میں کچھ عرصہ تک جائز رہا، اور اب یہ سراسر زنا ہے۔ چنانچہ اگر اہلسنت کہتے ہیں کہ متعہ زنا ہے، تو اس سے چنداں فرق نہیں پڑتا کہ متعہ کچھ عرصہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت میں مباح تھا۔ اور میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ متعہ عام حالات میں جائز نہیں تھا، بلکہ اس کی اجازت غزوات کے مواقع پر دی جاتی تھی۔

قولہ : کلام صاحب فرماتے ہیں:
متعۃ النکاح کا ترجمہ زنا کرنا غلط ہے۔ لیکن انہوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ متعۃ النکاح زنا نہیں۔
جواب: واہ واہ کیا منطق ہے۔ دوسروں کی بات کی ایسی علیل تاویل کی جائے جس کا کوئی حساب نہ ہو۔ ہمارے سامنے دو کتب موجود ہیں

۱۔ قرآن مقدس بخاری محدث پر عدالتی فیصلہ، مصنف احمد سعید خان ملتانی۔

۲۔ توفیق الباری فی تطبیق القرآن وصحیح البخاری بجواب کتاب قرآن مقدس بخاری محدث، مصنف زبیر علی زئی۔

پہلی کتاب ایک دیوبندی مماتی کی ہے جس نے صحیح بخاری پر تنقید کی اور قرآنی اصول وقوانین سے اس کا رد بالغہ

کرنے کی کوشش کی۔ دوسری کتاب ایک اہلحدیث کی ہے جس نے دیوبندی مماتی کی اس کتاب کا جواب دیا۔
چنانچہ ہم دونوں کتب میں موجود عبارات کو نقل کرتے ہیں اور پھر قارئین پر فیصلہ چھوڑیں گے کہ خاطی ہم یا کلام۔
احمد سعید خان دیوبندی مماتی فرماتے ہے:
یونہی آنکھ بند کم بصیرت کے ساتھ انہوں نے جڑ دیا کہ یہ آیت متعہ یعنی زنا کے حلال کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے اور صحابی رسول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے متھے اتنا بڑا طومار جڑ دیا کہ انہوں نے آیت پڑھی ہی اس لئے تھی کہ پتہ چل جائے کہ آیت کا نزول ہی متعہ یعنی زنا کے جواز کے لئے تھا۔

حوالہ : قرآن مقدس بخاری محدث پر عدالتی فیصلہ، صفحہ ۲۷، ناشر مولانا منظور معاویہ خادم مرکزی اشاعت التوحید والسنۃ۔

اب ادھر متعہ سے یعنی کا ترجمہ کر کے مفہوم مراد لیا جا رہا ہے جس کی نفی زبیر علی زئی نے بایں الفاظ کی:
یاد رہے متعۃ النکاح کا ترجمہ زنا کرنا غلط ہے

حوالہ : توفیق الباری فی تطبیق القرآن وصحیح البخاری، صفحہ ۳٦، طبع نعمان پبلیکیشنز۔

اب بتائے ادھر ترجمہ سے مراد مفہوم ہے جو ہمارا اصلی مدعا ہے یعنی متعۃ النکاح زنا نہیں۔ لیکن وائے ہو مخالف کی بصیرت پر جو اتنے واشگاف چیزوں کو بھی تاویل کے دبیز پردے میں چھپائے رکھتے ہیں۔

اقول : خیر طلب یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ چونکہ زبیر علی زئی نے کہا کہ متعہ کا ترجمہ زنا کرنا غلط ہے، اس لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک متعہ زنا نہیں۔ میں نے کہا کہ دونوں باتوں میں فرق ہے۔ اور چونکہ بات زبیر علی زئی کی ہو رہی ہے، اس لئے میں زبیر علی زئی کے ہی مضامین سے اس بات کو واضح کر دیتا ہوں۔ زبیر علی زئی مجلّہ ''الحدیث'' میں متعہ کے متعلق لکھتے ہیں:
امام مکحول الشامی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: ایک آدمی نے ایک عورت سے خاص مقرر وقت تک کے لئے نکاح (یعنی متعہ) کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا: **(ذلک الزنا)** یہ زنا ہے۔ **مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۲۹۴ ح۱۷۰۷۲، وسندہ صحیح ﴿ماھنامہ الحدیث، شمارہ نمبر ۷۱، ص ۱۳﴾**
اس پر زبیر علی زئی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جب احمد سعید خان نے کے متعلق کہا (متعہ یعنی زنا) اور اس میں احتمال تھا کہ وہ متعہ کا ترجمہ ہی زنا سمجھ رہے ہیں، تو زبیر علی زئی نے اعتراض کیا، لیکن جب امام مکحول نے متعہ کے متعلق فرمایا **(ذلک الزنا)** یہ زنا ہے، تو زبیر علی زئی نے کوئی اعتراض نہیں کیا، اور اس کی سند کی تصحیح بھی کر دی۔ اب بتایئے، کس کی تاویل علیل ہے اور کس نے حق بات کہی؟

قوله : اب ہم ذیل میں ان ویڈیوز وتحریرات کی مثال پیش کریں گے جو متعہ کا ترجمہ ہی زنا کرتے ہیں۔

تحریرات

Muta (Temporary marriage Or Legalized Prostitution)

http://www.kr-hcy.com/statichtml/files/104292584629524,print.shtml

Places and merits of Mut'ah (Zina) nikah in Shia Majoos Religion

http://devilsdeceptionofshiism.wordpress.com/tag/place-and-merits-of-mutah-zina-nikah-in-shia-majoos-religion/

متعہ یعنی زنا کی اولاد

http://daaljan.wordpress.com/2011/02/10/%D9%85....

ویڈیوز

Shia Mazhab aur Mutta (Zina) شیعہ مذہب میں متعہ ۔ زنا kafr kafr shia .

kafrmp

Shia Mutta Zinna - Answers to Shia Alims who are Spreading Zinna by proving it from Quran

Shia Mutta (Prostitution) exposed

تبصرہ: کلام صاحب اتنے جاہل تو مت بنائے یا تجاہل عارفانہ سے کام مت لیجئے کہ جب اہلسنت علماء ومناظرین کھلے عام بریکٹ میں اس کو زنا کہیں اور کہیں ایک عالم ان کی تردید کرے تو مان لینا چاہئے، ایسی بے کار تاویلات سے کام لینا عبث ہے۔

کلام صاحب ہم ذیل میں اب ان علماء اہلسنت کے نام مع عبارات پیش کرتے ہیں جو اس کو زنا نہیں کہتے۔ یاد رہے آپ کا فورم چونکہ چار یار پر مشتمل ہیں لہذا ایک زبیر علی زئی تو ہو گئے باقی تین کی گنتی پوری کر دیتا ہوں تا کہ چار یار کا پورا عدد بن جائے۔

فخر الدین رازی رقم طراز ہے:

الـزنا إنما سمي سفاحا، لأنه لا يراد منه إلا سفح الماء، والمتعة ليست كذلك، فان المقصود منا سفح الماء بطريق مشروع مأذون فيه من قبل الله

زنا کو سفاح کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ اس سے سوائے منی کے اخراج کے کوئی مقصد نہیں لیکن متعہ ہرگز زنا کی طرح نہیں کیونکہ اس سے مقصود منی کا اخراج اس طریقے سے کرنا ہوتا ہے جو خدا کے نزدیک مشروع و جائز ہو۔

حواله : مفاتيح الغيب، جز ١٠ ص ٤٤، الناشر: دار إحياء التراث العربي- بيروت

کیوں کلام صاحب کیا کہتے ہیں؟؟؟ فخر الدین رازی جن کو چالیس چالیس نکات نکالنے کی عادت تھی آیات میں سے، وہ کیا کہتے ہیں اور آپ کیا کہتے ہے؟

اقول : زبیر علی زئی اور امام مکحول کے حوالے سے تو میں ثابت کر چکا ہوں کہ ان کے نزدیک متعہ زنا کی طرح ہے۔ اس حوالے سے سلفی عالم کا فتوٰی خیر طلب صاحب خود ہی پیش کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ امام جعفر سے بھی یہی الفاظ متعہ کے متعلق سنن کبری میں امام بیہقی نے نقل کیے ہیں۔

اخبرنا ابو عبد الله الحافظ ، انبا ابو محمد الحسن بن سليمان الكوفى ببغداد ، ثنا محمد بن عبد الله الحضرمى ، ثنا اسماعيل بن ابراهيم ، ثنا الاشجعى ، عن بسام الصيرفى قال : سالت جعفر بن محمد عن المتعة ، فوصفتها ، فقال لى، ذلك الزنا۔

بسام صیرفی کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر سے متعہ کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ زنا ہے۔ ﴿**السنن الكبرى للبيهقى، ج ۷ ص ۲۰۷**﴾

شیخ البانی نے اس روایت کی سند کو **السلسلة الصحيحة** میں جید قرار دیا ہے۔ ﴿**السلسلة الصحيحة ج ۵ ص ۵۲۷**﴾

اور اپنی کتب میں امام جعفر کا قول بھی سن لیجیے جن کے نزدیک متعہ صرف فاجر ہی کرتے ہیں۔

احمد بن محمد بن عيسى فى (نوادره) عن ابن ابى عمير ، عن هشام بن الحكم ، عن ابى عبد الله عليه السلام فى المتعة قال : ما يفعلها عندنا الا الفواجر

ہشام بن حکم نے امام جعفر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے متعہ کے بارے میں فرمایا: اس کو ہمارے ہاں سوائے فاجروں کے اور کوئی نہیں کرتا۔ ﴿**وسائل الشيعه ج ۱۴، ص ۴۵۶**﴾

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

ایک اور روایت بھی ملاحظہ کیجئے۔

على عن ابيه عن ابن ابى عمير عن عمر بن اذينة عن زرارة قال جاء عبد الله بن عمير الليثى الى ابى جعفر (عليه السلام) فقال له ما تقول فى متعة النساء فقال احلها الله فى كتابه و على لسان نبيه (صلى الله عليه وآله) فهى حلال الى يوم القيامة فقال يا ابا جعفر مثلك يقول هذا وقد حرمها عمر ونهى عنها فقال وان كان فعل قال انى اعيذك بالله من ذلك ان تحل شيئا حرمه عمر قال فقال له فانت على قول صاحبك وانا على قول رسول الله (صله الله عليه وآله) فهلم الاعنك ان القول ما قال رسول الله (صلى الله عليه وآله) وان الباطل ما قال صاحبك قال فاقبل عبد الله بن عمير فقال يسرك ان نساءك وبناتك واخواتك وبنات عمك يفعلن قال

فاعرض عنه ابو جعفر (عليه السلام) حين ذكر نساء ہ وبنات عمه

زرارہ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن عمیر لیثی امام باقر کے پاس آیا اور اس نے آپ سے کہا: آپ عورتوں کے متعہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ عزوجل نے اسے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے اور اپنے نبی ﷺ کی زبان پر بھی۔ پس متعہ قیامت تک کے لئے حلال ہے۔ اس نے کہا: اے امام باقر آپ ایسا کہتے ہیں حالانکہ حضرت عمر نے اسے حرام قرار دیا اور اس سے منع کیا تو آپ نے فرمایا: اگرچہ اس نے بھی کیا تب بھی۔ اس نے کہا میں تم سے اللہ عزوجل کی پناہ مانگتا ہوں اس بارے میں کہ تم اس چیز کو حلال کرو جس کو حضرت عمر نے حرام کیا۔ تو آپ نے فرمایا: تو اپنے صاحب کے قول پر ہے اور میں رسول اللہ ﷺ کے قول پر ہوں۔ پس آؤ۔ میں تم پر لعن کرتا ہوں کہ حق قول وہ ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور جو تمہارے صاحب نے کہا وہ باطل ہے۔ عبداللہ بن عمیر نے کہا: تمہیں اچھا لگے گا اگر تمہاری عورتیں، بیٹیاں، بہنیں اور چچا زاد بہنیں متعہ کریں؟ تو امام صاحب نے منہ موڑ لیا جب اس کی عورتوں اور چچا زاد بہنوں کا ذکر ہوا۔ ﴿فروع الکافی ج ۵ ص ۱۵۱﴾

اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب متعہ کے برکات اپنے گھر میں دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اسی وجہ سے باقی سب مومنین کے واسطے تو اس کے فضائل بیان کئے، لیکن جب اپنی عورتوں کا ذکر آیا تو منہ موڑ لیا۔ کیا تمام مسلمان اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے لئے متعہ کو سخت ناپسند نہیں کرتے؟ کون ہے جو اپنی بہن کے متعہ کرنے کی خبر بھی کسی کو بتانا پسند کرے گا؟ جس طرح امام صاحب کو اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے لئے متعہ ناپسند ہے، اسی طرح باقی تمام مسلمان بھی ناپسند کرتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ باقی سب مسلمان متعہ کریں، لیکن امام صاحب کا گھرانہ متعہ کے برکات سے محروم رہے؟

یہاں پر رازی کے قول "والمتعة ليست كذلك" کا ترجمہ "متعہ ہرگز زنا کی طرح نہیں" غلط ہے۔ یہاں پر اس کا ترجمہ ہوگا "اور متعہ اس طرح نہیں"۔ مراد یہ ہے کہ زنا کو سفاح اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے سوائے منی کے اخراج کے کوئی مقصد نہیں، لیکن متعہ اس طرح نہیں، یعنی متعہ میں منی کا اخراج واحد مقصد نہیں ہوتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہاں پر جز زنا مراد ہے، وہ تو ایک مسلمان عورت کے ہندو مرد سے نکاح پر بھی لاگو نہیں ہوتا، کیونکہ ادھر بھی فقط سفح الماء مراد نہیں ہوتا، بلکہ ایک دوسرا مقصد یعنی نکاح کا بھی ہوتا ہے، اور یہ نکاح بھی ایک عرصہ تک جائز تھا، کیونکہ مسلمان عورتوں کا غیر مسلم مردوں کے ساتھ نکاح ہماری شریعت میں کچھ عرصہ تک جائز تھا۔ لیکن جن معنوں میں ہم مسلمان عورت کے کافر کے ساتھ نکاح کو زنا سے تعبیر کرتے ہیں، انہی معنوں میں متعہ کو بھی زنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اگر خیر طلب کو اعتراض ہے تو فقط اتنا بتا دے کہ کیا مسلمان عورت کا کسی ہندو مرد سے نکاح زنا ہے یا نہیں۔ حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی۔

قوله : علامہ ابن قیم ابن تیمیہ کے کلام بایں نقل کرتے ہیں

وسمعت شيخ الاسلام يقول : نكاح المتعة خير من نكاح التحليل من عشرة أوجه

میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سنا ہے کہ نکاح متعہ حلالہ سے دس وجوہات کی بنا پر بہتر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

ان وجوہات کو بتاتے ہوئے ابن قیم کہتے ہے:

الثامن : أن الفطر السليمة والقلوب التى لم يتمكن منها مرض الجهل والتقليد تنفر من التحليل أشد نفار، وتعير به أعظم تعبير، حتى إن كثيرا من النساء تعير المرأة به أكثر مما تعيرها بالزنا، ونكاح المتعة لا تنفر منه الفطر والعقول ، ولو نفرت منه. لم يبح فى أول الإسلام

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ سلیم فطرت اور وہ دل جن میں جہل اور تقلید کا مرض نہ ہو وہ حلالہ سے شدید نفرت کرتے ہیں، اور اس کو بہت زیادہ کوستے ہیں۔ یہاں تک کہ بہت ساری عورتیں ایک حلالہ شدہ عورت کا زیادہ مذاق بناتی ہیں بنسبت کہ وہ زنا کرے۔ جب کہ نکاح متعہ سے نہ فطرت سلیمہ نفرت کرتی ہے اور نہ ہی عقل۔ اگر اس کو برا سمجھا جاتا تو کبھی اوائل اسلام میں جائز نہ ہوتا۔

حوالہ : إغاثة اللهفان من مصايد الشيطان، جز ۱ ، صفحہ ۲۷۸، الناشر : مكتبة المعارف، الرياض ، اللملكة العربية السعودية

اقول : ابن قیم اور ابن تیمیہ اگر احناف کے ساتھ اس معاملہ میں اختلاف کرتے بھی ہیں، تب بھی ان کا حوالہ پیش کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ میں ابن بابویہ القمی کا حوالہ پیش کروں جو کہ انبیاء کے سہو اور خطا کے منکرین کو غالی سمجھتے ہیں۔ اب خیر طلب انبیاء بلکہ اپنے بارہ ائمہ کرام کو بھی سہو اور خطا سے پاک سمجھتے ہیں، تو اگر میں خیر طلب کو بھی غالی کہوں، تو ان کو ہضم نہیں ہوگا۔ اس لئے اگر ابن قیم اور ابن تیمیہ اس حوالے سے احناف سے اختلاف کرتے ہیں، تب بھی ان کا حوالہ پیش کرنا غلط ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس عورت کو تین طلاق دی جائے، اس کا شوہر اس کو دوبارہ اپنے نکاح میں نہیں لاسکتا یہاں تک کہ وہ عورت کسی شخص سے نکاح کر لے، اور پھر طلاق یا اس شخص کی موت واقع ہونے کے بعد دوبارہ اپنے پہلے شوہر سے نکاح کر لے۔ دوبارہ اپنے پہلے خاوند کے واسطے حلال ہو جانے کو حلالہ کہتے ہیں۔

قوله : اب ہم ابن تیمیہ کے کلام کو بھی سنتے ہیں

ولكن تنازعوا في "نكاح المتعة" فإن نكاح المتعة خير من نكاح التحليل من ثلاثة أوجه. أحدها "أنه كان مباحا في أول الإسلام بخلاف التحليل." الثاني "أنه رخص فيه ابن عباس وطائفة من السلف؛ بخلاف التحليل فإنه لم يرخص فيه أحد من الصحابة". الثالث "أن

المتمتع له رغبة في المرأة وللمرأة رغبة فيه إلى أجل ؛ بخلاف المحلل فإن المرأة ليس لها رغبة فيه بحال وهو ليس له رغبة فيها بل في أخذ ما يعطاه وإن كان له رغبة فهي من رغبته في الوطء ؛ لا في اتخاذها زوجة من جنس رغبة الزاني؛

اگرچہ نکاح متعہ میں اختلاف ہوا ہے۔ پس اس میں شک نہیں کہ نکاح متعہ بہتر ہے حلالہ سے تین وجوہات کی بنا پر:

۱۔ نکاح متعہ اوائل اسلام میں جائز تھا جب کہ حلالہ کے ساتھ یہ صورت نہیں

۲۔ نکاح متعہ کی اجازت ابن عباس اور سلف میں سے ایک گروہ نے دی ہے جب کہ حلالہ کی اجازت کسی بھی صحابی نے نہیں دی

۳۔ متعہ کرنے والے کو متعہ کرنے والی عورت سے ایک خاص رغبت ہوتی ہے اسی طرح متعہ کرنے والی عورت کو بھی مرد سے ہوتی ہے ایک عرصہ تک، جب کہ حلالہ میں اس کے برخلاف حلالہ کرنے والی عورت کو کوئی رغبت نہیں ہوتی اور حلالہ کرنے والے مرد کو فقط جماع و ہمبستری سے رغبت ہوتی ہے نہ کہ اس کو حقیقی زوجہ بنانے کی جو زنا کرنے والے مرد کی رغبت کی طرح ہے۔

حوالہ : مجموع الفتاوي جز ۳۲، ص ۹۳ الناشر : مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف ، المدينة النبوية ، المملكة العربية السعودية

کیوں کلام صاحب اب حنفی تو خیر منا ہی لیں جن کا حلالہ متعہ سے بدتر قرار پایا اور متعہ میں رغبت زنا قرار نہیں گیا بلکہ حلالہ میں قرار دیا جارہا ہے۔ متعہ کی اجازت ابن عباس و سلف سے نقل کی جارہی ہے۔

اقول : حلالہ کے متعلق قرآن مجید کی آیت کریمہ کے متعلق شیعی روایت شیعی تفسیر سے شیعی کتاب میں ملاحظہ کیجئے:

جناب محمد بن مسعود عیاشی اپنی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے آیت مبارکہ (**فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره**) ''کہ اس کے بعد وہ عورت اپنے خاوند پر حلال نہیں ہوتی جب تک کسی اور شخص سے نکاح نہ کرے'' کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں تیسری طلاق مراد ہے۔ پس جب وہ دوسرا شخص (محلل) اسے طلاق دے دے اور سابقہ میاں بیوی راضی ہوں تو پھر عقد جدید کرسکتے ہیں۔ ﴿**وسائل الشيعه، كتاب الطلاق، ج ۱۵، ص ۲۵۷**﴾

اسی طرح الکافی میں زرارہ نے امام باقر سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کو طلاق دے اور عدت کے ختم ہونے پر پھر نکاح کرے اور پھر طلاق دے دے حتٰی کہ تین بار ایسا کرے؟ فرمایا اب جب تک کسی اور شخص (محلل) سے نکاح نہیں کرے گی تب تک اپنے پہلے خاوند پر حلال نہیں ہوگی۔ (**فإذا تزوجها غيره ولم يدخل بها وطلقها أو مات عنها لم تحل لزوجها**

الأول حتى يذوق الآخر عسيلتها) اور اگر یہ دوسرا شخص دخول سے پہلے طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تب بھی پہلے خاوند پر حلال نہ ہوگی۔ جب تک دوسرا شخص مباشرت کا مزہ نہ چکھے۔ ﴿الکافی ج ٦ ص ٧٦﴾

قوله : کلام صاحب اس باب کا اختتام ہم تحدی کے ساتھ کرتے ہیں کہ متعہ کو زنا کافی نہیں بلکہ اب ان سوالوں کا جواب دیں

۱۔ متعہ کے زنا ہونے کی منفرد دلیل فرمائیں

۲۔ ایسے افراد کے بارے میں بتائیں جو اس کی اباحت کے قائل ہیں۔

۳۔ سنی علماء نے بالآخر اس کو نکاح المتعہ سے تعبیر کیوں کیا۔ یعنی یہ تو ایسا ہی ہے کہ اسلامی شراب، اسلامی سود، اسلامی زنا۔۔ کیا طیب وغیر طیب کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن ہے، کیا نکاح وزنا کا ملاپ ایک جگہ ممکن ہے؟ اگر متعہ زنا ہے تو کیا نکاح المتعہ بھی کوئی شئی ہے؟

اقول : متعہ کے زنا ہونے کے دلائل میں نے اس تحریر کے آغاز ہی میں دے دیئے ہیں۔ اور متعہ کی اباحت کے قائلین کے نام مجھ سے پوچھنا ایک عجیب بات ہے، چونکہ میں متعہ کے حرام ہونے کا قائل ہوں، لہٰذا آپ مجھ سے ان لوگوں کے نام پوچھئے جو کہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں۔ ایسے افراد کے نام بتانا آپ کا کام ہے جو کہ متعہ کی اباحت کے قائل ہیں۔ بہر حال میں نے کبھی اس کی تحقیق نہیں کی کہ کون متعہ کی اباحت کا قائل ہے، اور نہ ہی مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ اس کے متعلق صحیح اور مرفوع روایات ہماری کتب میں موجود ہیں جس سے متعہ کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور ان صحیح اور مرفوع روایات کی موجودگی میں کسی دوسرے کے قول کی اہمیت ہی نہیں رہتی۔ اور متعہ کو نکاح المتعہ کہنے سے اس کی اباحت ثابت کرنا پرلے درجے کی جاہلیت ہے، اور اگر نکاح المتعہ کا مطلب اسلامی متعہ ہے، تو آپ یہ بھی تسلیم کرلیں کہ نکاح البھیمہ کا مطلب جانوروں سے اسلامی نکاح ہونا چاہئے، کیونکہ ابن بابویہ اپنی کتاب ''معانی الاخبار'' میں کہتا ہے:

(**وأما نكاح البهيمة فمعروف**) یعنی جہاں تک نکاح البھیمہ (جانوروں سے حرام فعل) کا تعلق ہے، تو اس کے معنی معروف ہیں (یعنی سب جانتے ہیں)۔ اور شیخ صدوق نے یہ اس روایت کے تحت لکھا جس میں فرمایا گیا ہے کہ (**ملعون ملعون من نكح بهيمة**) یعنی وہ ملعون ہے جو جانور سے نکاح کرے۔ ﴿معانی الاخبار ص ۴۰۳﴾

یہاں پر نکاح کے لفظ سے اگر ہم یہ سمجھیں کہ جانوروں کے ساتھ حرام فعل کرنا اسلامی نکاح ہے، تو میں کہتا ہوں کہ یہ بھی ایسی ہی جاہلیت ہے جس طرح کی جاہلیت کا مظاہرہ خیر طلب نے نکاح المتعہ کو اسلامی متعہ سمجھ کر کیا ہے۔ جان لیجئے کہ نکاح کے لغوی معنی جماع کے ہیں۔ مشہو شیعہ آیت اللہ محمد جواد فاضل لنکرانی کی ویب سائٹ پر انکا ایک درس شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۱ کے

بارے میں مشہور شیعہ مفسر طبرسی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

(معنای لغوی نکاح وطی و جماع است، کثرت الاستعمال در آن بوده وبعد از کثرت استعمال به معنای عقد استعمال شده است)

نکاح کے لغوی معنی وطی اور جماع کے ہیں۔ ان معنوں میں کثرت سے اس کا استعمال ہوا، اور اس کے بعد عقد کے معنوں میں بھی اس کا استعمال ہوا۔

(www.fazellankarani.com/persian/lesson/2897)

قارئین کرام! اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ کیا نکاح المتعہ کہنے سے متعہ جائز قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔

قوله : قطعا کے معنی جب ہم نے لغت میں تلاش کرے تو فیروز لغت میں بایں معنے ملے اصلا۔ ہرگز۔ ذرا بھی۔ بالکل۔ **حواله: فیروز اللغات ، صفحه ٩٥٩، طبع فیروز سنز لمٹیڈ۔**

تو معنی کلام یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت ۲۴ ہرگز ہرگز متعہ کے عنوان سے تعلق نہیں رکھتی۔ اب اس قطعا کی گنجائش جب ہوتی جب اس آیت پر کسی سے متعہ کے حوالے سے اقوال منقول ہی نہیں ہوتے، لیکن مع الاسف شدید کلام صاحب نے بے بانگ دھل جو دعوی کیا ہے اسکی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں جو دور سے تو حقیقت لگے اور تحقیق کے بعد دھول چاٹنی پڑے۔

کلام صاحب آپ سے انصاف کی امید تو کم ہی رکھتا ہوں لیکن منصف قارئین کی توجہ علمائے اہلسنت کے اقوال کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ذیل میں علمائے اہلسنت کے اقوال نقل کیے جا رہے ہیں جو اجمالا علم کے لئے کافی ہیں، تفصیل کے شائقین دیگر کتب فقہ، تفسیر کا مطالعہ کریں یا کبھی موقعہ ملا تو ہم شرح وبسط کے ساتھ اس پر لکھیں گے۔ سر دست اجمالی علم کے لئے درج ذیل اقوال بصارت کی نظر ہیں۔

ا۔ قرطبی رقم طراز ہیں:

قال الجمهور : المراد نكاح المتعة الذى كان فى صدر الاسلام

جمہور علماء نے سورۃ النساء کی آیت ۲۴ سے مراد نکاہ متعہ لیا ہے جو اسلام کے اوائل میں تھا۔

حواله: الجامع الاحكام القرآن۔جز۔٥۔ ص۔١٣٠۔الناشر ۔دارالكتب ال مصرية۔القاهرة۔

۲: شوکانی رقم طراز ہیں:

قال الجمهور : ان المراد بهذه الاية نكاه المعة الذى كان فى صدر الاسلام.

جمہور علماء نے سورۃ النساء کی آیت ۲۴ سے مراد نکاح متعہ لیا ہے جو اسلام کے اوائل میں تھا۔

حوالہ: فتح القدیر، جز۔۱، ص۔۵۱۸، طبع دار ابن کثیر۔

کہاں جمہور کا فیصلہ اور کہاں کلام صاحب کا منفرد فیصلہ؟ میرے محترم مقابل۔ الٰہی فیصلے کے حوالے سے ہم نشوری کے اور جمہوریت کے قائل نہیں لیکن آپ کے پسندیدہ خلفاء جو جمہور کے فیصلے سے خلیفہ بنے، وہاں پر جمہوریت بہترین اور ادھر جمہور کا انکار؟ آخر اس دوغلی پالیسی کا کیا جواز ہے؟

اقول: جن علماء کے نزدیک یہ آیت نکاح صحیح کے بارے میں نازل ہوئی، ان کی فہرست ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں:

وقال اکثر المفسرین المتعة لیست مرادة من هذه الآیة بل معنی قوله فما استمتعتم به منهن ما انتفعتم وتلذذتم بالجماع من النساء بالنکاح الصحیح فاتوهن اجورهن ای مورهن کذا قال الحسن و مجاهد

اکثر مفسرین کے نزدیک آیت میں متعہ مراد ہی نہیں ہے بلکہ صحیح نکاح کے بعد جماع سے بہرہ اندوز اور لذت گیر ہونا مراد ہے۔ یعنی عورتوں سے نکاح کرنے کے بعد جب تم لذت یاب اور بہرہ اندوز ہو گئے تو ان کے مہر ادا کر دو۔ حسنؒ اور مجاہدؒ نے بھی یہی کہا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری ج۲ص۸۷﴾

۲۔ ابن جوزی فرماتے ہیں:

واما الآیة فانهالم تتضمن جواز المتعة

رہی مذکورہ آیت تو وہ جوازِ متعہ کو متضمن نہیں ہے۔ ﴿زاد المسیر ج ۲ ص ۵۴﴾

۳۔ مولانا محمد شفیعؒ فرماتے ہیں:

اس آیت میں استمتاع سے بیویوں سے ہم بستر ہونا اور وطی کرنا مراد ہے۔ ﴿معارف القرآن ج ۲ ص ۳۶۵﴾

۴۔ تفسیر حقانی میں ہے:

جمہور کے نزدیک یہاں بھی نکاح مراد ہے۔ اس کو اس لئے بیان کیا ہے کہ جب عورت سے نکاح کر کے صحبت کر لی تو نفع اٹھالیا۔ اس کا پورا مہر واجب ہو گیا۔ ﴿تفسیر حقانی ج۲ ص ۱۴۴﴾

۵۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

والقول بانها نزلت فی المتعة وتفسیر البعض لها بذلک غیر مقبول لان نظم القرآن یاباه

اس آیت میں اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ یہ متعہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور جن لوگوں نے متعہ سے تفسیر کی ہے تو وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ نظمِ قرآنی اس کی تردید کرتی ہے۔ نیز فرماتے ہیں **ان المراد بالاستمتاع هو الوطئ والدخول لا الاستمتاع**

بمعنی المتعة التی یقول بھا الشیعه

استمتاع سے مراد وطی اور دخول ہے، نہ کہ استمتاع بمعنی متعہ جس کے شیعہ قائل ہیں۔﴿**تفسیر آلوسی ج ۴ ص ۱۵**﴾

۶۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

حکی عن مجاهد بأنها في المتعة ولکن الجمهور علی خلاف ذلک

مجاھد سے حکایت کی گئی ہے کہ یہ آیت متعہ کے بارے میں ہے لیکن جمہور اس کے خلاف ہے۔﴿**تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۶**﴾

۷۔ علامہ ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں:

وفی فحوی الآیة من الدلالة علی ان المراد النکاح دون المتعة

مضمونِ آیت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں نکاح صحیح مراد ہے، متعہ نہیں۔﴿احکام القرآن ج۳ ص۹۷﴾

۸۔ پیر کرم شاہ فرماتے ہیں: اس آیت سے متعہ روافض پر استدلال کرنا سراسر باطل ہے۔ کیونکہ محصنین غیر مسافحین کے الفاظ اس کی صراحتً تردید کرتے ہیں۔﴿**ضیاء القرآن ج ۱ ص ۳۳۴**﴾

۹۔ امام عبدالرزاق الصنعانی فرماتے ہیں

انا معمر عن الحسن فی قوله تعالیٰ ﴿الآیة﴾ قال : هو النکاح

﴿**تفسیر القرآن لعبد الرزاق الصنعانی ج ۲ ص ۴۸**﴾

۱۰۔ تفسیر الماتریدی میں لکھا ہے (**واما عندنا، فانها نزلت فی النکاح**) ﴿**تفسیر الماتریدی ج ۳ ص ۱۱۵**﴾

۱۱۔ اسی طرح البدائع الصنائع میں لکھا ہے(**واما الآیة الکریمة فمعنی قوله ﴿الآیة﴾ ای : فی النکاح ؛ لان المذکور فی اول الآیة وآخرها هو النکاح**) ﴿**بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۳**﴾

۱۲۔ اسی طرح تفسیر رازی میں بھی اس سے مراد نکاح لیا گیا ہے، نہ کہ متعہ۔ اور اسے اکثر علماء کا قول بھی قرار دیا ہے۔﴿**تفسیر الرازی ج ۱۰ ص ۴۱**﴾

۱۳۔ تفسیر نیشاپوری میں بھی لکھا ہے (**قال اکثر علماء الامة : ان الآیة فی النکاح الموبد**) ۔﴿**تفسیر نیشاپوری ج ۲ ص ۳۹۲**﴾

۱۴۔ ابوحفص سراج الدین الحنبلی النعمانی نے بھی اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اکثر علماء کے مطابق اس آیت سے مراد نکاح صحیح ہے۔﴿**اللباب فی علوم القرآن ج ۶ ص ۳۰۹**﴾

اقول : اہل تشیع کے چودہ ستاروں کی مناسبت سے چودہ حوالے ہم نے پیش کر دیئے ہیں۔ قارئین بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ کلام نے جو کہا تھا، آیا وہ کلام کا منفرد قول تھا یا اکثر مفسرین کا قول۔ یہ بات یاد رہے کہ بعض اوقات بعض علماء کسی قول کو جمہور کی جانب منسوب کرتے ہیں، لیکن اگر تحقیق کرنے پر معلوم ہو جائے کہ یہ نسبت غیر صحیح ہے، تو اس کو جمہور کا قول سمجھنا غلط ہے۔ اور میں نے چودہ تفاسیر کے حوالے پیش کر دیئے ہیں، جس میں آپ نے جمہور کا قول سن لیا ہے کہ یہ آیت متعہ کے بارے میں نہیں ہے۔ اگر ان چودہ تفاسیر کے بعد بھی روافض ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے کلام کا منفرد فیصلہ قرار دیتے ہیں، تو انشاء اللہ پھر ہم گیارہ حقیقی ائمہ کی مناسبت سے مزید گیارہ تفاسیر کے حوالے پیش کریں گے۔ لیکن جو شخص چودہ تفاسیر کے بعد بھی اس کو کلام کا منفرد قول قرار دے، اس کے لئے تو ہزار تفاسیر کے حوالے بھی پیش کر دیئے جائیں، پھر بھی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آئے گا۔

قولہ : کلام صاحب یہ تو شیعوں کا احسان سمجھیں جن کی بدولت آپکو اتنی ساری احادیث ملی۔ ایسی علم سے گری ہوئی بات یقیناً آپ سے ہی توقع کی جا سکتی ہے۔

کیا شیعہ ہونا ضعیف ہونے کی دلیل ہے؟

اگر یہ بات ہے تو صحیح مسلم بھی محفوظ نہ رہے گی۔

چنانچہ سیوطی اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں:

قال الحاکم و کتاب مسلم ملان من الشیعة.

حاکم فرماتے ہیں کہ مسلم بن حجاج نیشاپوری صاحب کی کتاب یعنی صحیح مسلم شیعوں سے بھری ہوئی ہے۔

حوالہ: تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی۔ج۔۱، ص۔۳۸۵، الناشر ۔دار طیبة۔

آپ تو خیر کسی شمارے میں نہیں آتے علامہ شمس الدین ذہبی نے اپنی کتاب میں اس شبہ کا پہلے ہی جواب دے دیا ہے۔

فلقائل ان یقول : کیف ساغ توثیق مبتدع وحد الثقة العدالة والاتقان ؟ فکیف یکون عدلا من هو صاحب بدعة ؟ وجوابهٔ ان البدعة علی ضربین : فبدعة صغری کغلو التشیع ، او کالتشیع بلا غلو ولا تحرف ، فهذا کثیر فی التابعین وتابعیهم مع الدین و الورع والصدق فلو رد حدیث هؤلاء لذهب جملة من الآثار . النبویه ، وهذه مفسدة بینة.

کہنے والا کہہ سکتا کہ بدعتی کو بھلا کیسے ثقہ، عادل اور اچھے حفظ والے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ عادل بھی ہے اور صاحب بدعت بھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بدعت دو اقسام کی ہیں ایک چھوٹی جیسے شیعیت غلو والی یا

بغیر غلو والی شیعیت۔ یہ شیعیت تو کثیر تابعین اور تبع تابعین میں تھی اگرچہ وہ کافی دیندار، متقی اور سچے تھے۔ اگر ان تمام احادیث کو رد کر دیا جائے تو جملہ احادیث نبوی ذائل ہو جائیں گی، اور یہ بڑی ظاہر گھاٹے والی بات ہے۔

حواله: میزان الاعتدال۔ جز۔ اول، صفحه ۔۵، ناشر ۔دارالمعرفه ، لبنان۔

کیوں کلام صاحب طبیعت خوش ہوئی،

اقول : ہماری طبیعت تو اہلتشیع کے امام شیخ حر العاملی، مصنف وسائل الشیعہ ،کا یہ قول پڑھ کر پہلے سے ہی خوش ہے، جس میں انہوں نے شہید ثانی کے بارے میں دھماکہ خیز انکشاف کیا۔ آپ کی طبیعت بھی خوش کر دیتے ہیں۔ حر عاملی فرماتے ہیں:

هو أول من صنف من الامامية في دراية الحديث، لكنه نقل الاصطلاحات من كتب العامة كما ذكره ولده وغيره

وہ (یعنی شہید ثانی) امامیہ میں سے پہلا فرد ہے جس نے درایۃ الحدیث کے بارے میں کتاب لکھی، لیکن اس نے اصطلاحات اہلسنت کی کتب سے نقل کیں، جیسا کہ اس کے بیٹے اور دوسروں نے ذکر کیا ہے۔ **﴿أمل الآمل ، ج ١ ص ٨٦﴾**

اس کو پڑھ کر تو ہر امامی کی طبیعت خوش ہوگئی ہوگی۔ اب آپ نے جو لکھا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبھی آپ کو اپنی کتب میں اہلسنت راویوں کی تعداد اور ان کی روایات پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے؟ جب آپ کی اپنی کتب اہلسنت اور دیگر غیر اثنا عشری راویوں سے بھری پڑی ہیں، تو ہم کو کس منہ سے الزام دیتے ہو؟

اور میں نے احمد بن مفضل کو شیعہ کہا ہے، لیکن ضعیف نہیں کہا۔ آپ کو جاننا چاہیئے کہ حدیث کا ایک اصول ہے جسے ابن حجرؒ نے اپنی کتاب نخبۃ الفکر میں بیان کیا ہے جس کے مطابق بدعتی راوی کی ایسی روایت قبول نہیں کی جائے گی جو اس کے مذہب کی مؤید ہو۔

يقبل من لم يكن داعية إلى بدعته في الأصح إلا إن روى ما يقوي بدعته فيرد على المختار

جو شخص اپنی بدعت کی طرف دعوت نہ دے، اس کی روایت قبول کی جائے گی، سوائے اس کے کہ اس کی روایت اس کی بدعت کو پختہ کرتی ہو، ایسی صورت میں مختار قول کے مطابق اسے رد کیا جائے گا۔ **﴿نخبة الفكر ج ١ ص ١٩﴾**

پس میں اس روایت کو اسی واسطے رد کر رہا ہوں، کہ اس میں شیعہ راوی ہے، اور یہ روایت اسکے مذہب کی تائید میں ہے۔ اس لئے اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

قوله : اب ہم راوی احمد بن مفضل کی توثیق پر آتے ہیں۔

۱: ابو حاتم نے راست گو و سچا کہا۔

۲: ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا

۳: ابوبکر بن ابی شیبہ نے خیر کے الفاظ میں یاد کیا

حوالہ: تہذیب التہذیب، جز۔۱، ص۔۸۱، رقم ۔۱۳۹۔

جہاں تک آزدی کا منکر الحدیث کہنے کا تعلق ہے تو خود آزدی مجروح ہے اہلسنت کی نظر میں، لہذا اس کے قول کی کوئی قیمت نہیں۔

اقول : توثیقات کا تو میں نے انکار ہی نہیں کیا، بلکہ جس وجہ سے اس روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا، وہ میں نے بیان بھی کر دیا ہے، یعنی اس روایت کا راوی بدعتی ہے، اور یہ روایت اس کی بدعت کی موید ہے۔ البتہ خیر طلب نے خطبہ شقشقیہ کے حوالے سے ایک ایسی سند سے استدلال کیا، جس میں ایک راوی ''عکرمہ'' نہ صرف خارجی، بلکہ اہلتشیع کے نزدیک کذاب بھی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ دی گئی کہ چونکہ عکرمہ کی روایت اس کے مذہب کے خلاف ہے، لہٰذا قابل قبول ہے۔ اس احمقانہ دلیل کو میں نے کسی کتاب میں نہیں پڑھا کہ ایک راوی بدعتی بھی ہو، اور کذاب بھی ہو، تو اس کی ایسی روایت قبول کی جائے گی جو اس کے مذہب کے خلاف ہو۔ اصول تو یہ ہے کہ راوی بدعتی بھی ہو، اور اس کی توثیق بھی کی گئی ہو، تب ہی اس کی ان روایات کو قبول کیا جائے گا جو اس کی بدعت کے موافق نہ ہو۔ اگر خیر طلب سے ہو سکے تو یہ اصول اپنی کتب میں کہیں سے دکھا دے کہ بدعتی کذاب راوی کی وہ روایات قابل قبول ہیں جو اس کے مذہب کے خلاف ہو۔

قولہ : اعتراض: سدی نے دیگر شرائط کا بھی ذکر کیا۔

جواب: خوب! بیشک اس کے ہم معترف ہے لیکن سر دست ابھی اس کا متعہ کے لئے استدلال بتانا تھا جو ثابت ہے۔ دیگر شرائط اصل قضیہ کا ابطال نہیں کرتی۔

اعتراض: مجاہد کے قول میں انقطاع ہے کیونکہ ابن ابی نجیح مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے نیز اس کا مجاہد سے سماع ثابت نہیں۔

جواب: ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔ لگ رہا ہے آپ تمام محققین کو پیچھے چھوڑ رہے ہیں۔ مجاہد کی تفسیر کا اکثر دار و مدار ابن ابی نجیح کی سند ہے اور علماء اہلسنت کی تحریرات پڑھ لیتے تو شکایت نہیں کرتے کیونکہ ابن ابی نجیح اور مجاہد میں ایک واسطہ بیان کیا گیا ہے جس کا نام قاسم بن ابی بزہ ہے جو بالاتفاق اہلسنت علماء صحیح وثقہ راوی ہے۔ لہذا تدلیس کی قبیح جرح تو یہی ختم ہو جاتی ہے۔

آخر میں ہم شیخ عبدالعزیز بن مرزق الطریفی کا قول نقل کرینگے جو فقط عربی میں ہوگا اور مفہوم اردو میں:

وجاء التفسير عن مجاهدمن وجوه عده اصحها ما يرويه ابن ابى نجيح عنه ،وان لم يسمعه من مجاهد ،كما قاله يحيى القطان وابن حبان فهو كتاب صحيح نص على صهة تفسيره الثورى كما حكاه عنه وكيح ،وصححه ابن المدينى ايضاوعدم السماع ليس علة مطلقا،بل هناك مما لم يسمع ماهو اصح مما سمح لقرينة قوية دفعت تلك العلة كا حتراز الناقل وشدة تحريه ؛ كسعيد عن عمر ،اولكونه من كتاب صحيح ،كرواية التفسير عن مجاهد او لمعرفة الوا سطة ولم تذكر ،كالنخعى عن ابن مسعود ،وابن سيرين عن ابن عباس وقد يشكل على البعض ان من يروى عن مجاهد بن جبر لم يسمع التفسير منه وانماهو من كتاب ؛فيقال؛ان القاسم بن ابى بزه هو من الثقات الكبار وكتابه صحيح وقد اعتنى كتابه؛فكل من روى عنه ذلك .الكتاب على اخذ صحيح ؛فالروايةعنه صحيحة معتبره

يقول ابن تيمة :--ليس بايدى اهل التفسير تفسير اصح من تفسير ابن ابى نجيح عن مجاهد بن جبر واكثر تفسير مجاهد هو من طريق ورقاء عن ابن اى نجيح عنه،بل هو ناشر تفسيره ،واخصاالناس به ويرويه عنه ايضاشبل بن عباد وعيسى بن ميمون .وياتى بعد ذلك رواية ابن جريج عن مجاهد

الف، ابن مدینی اور سفیان الثوری نے مجاہد کی تفسیر جو ابن ابی نجیح کے طریق سے آئی ہے اسکو صحیح قرار دیا ہے۔
ب، ابن ابی نجیح کا مجاہد سے نہ سننا قادح نہیں بلکہ ابن ابی نجیح نے قاسم سے تفسیر کو اخذ کیا ہے جو ثقہ ہے۔
د، ابن تیمہ کے مطابق مفسرین کے پاس مجاہد کی تفسیر جو ابن ابی نجیح سے نقل ہوئی اس سے زیادہ صحیح تفسیر کوئی موجود نہیں
۔

حواله : اسانيد التفسير ،تحت ،الروايات عن مجاهد واصحها.

کیوں کلام صاحب اتنے بڑے رجالی نہ بنا کریں جب چیزوں کا علم نہ ہو۔ اب صاحب منہج السنہ کا قول اگر یوں رد کردیا جائے تو بے جا ہوگا، دلیل واستدلال ضروری ہے جو ہماری تحریر میں ملیگا، باقی آپ فقط باتوں کے شیر ہے جن کو دلیل سے کوئی لگاؤ نہیں۔

اقول : اگرچہ میں خود کو قطعاً عالم نہیں کہتا، بلکہ میں تو کتب پڑھنے کے علاوہ اور کسی چیز کا بھی دعوٰی نہیں کرتا، لیکن یہ کہنا کہ مجھے ان چیزوں کا علم نہیں تھا، صحیح نہیں۔ میں پہلے ہی یہ واضح کر چکا ہوں کہ ''دونوں روایات سند کے لحاظ سے منقطع ہیں کیونکہ ابن ابی نجیح مدلس ہے اور عن سے روایت کر رہا ہے نیز مجاہد سے اس کا سماع ثابت نہیں۔ لیکن بعض نے ابن ابی نجیح المعتزلی کی مجاہد سے اخذ کی گئی تفسیر کو معتبر بھی قرار دیا ہے۔ لیکن جس روایت میں مجاہد نے فقط نکاح کا لفظ استعمال کیا ہے، اس میں بھی ابن ابی نجیح موجود ہے، اور اس کے بقیہ راوی ثقہ ہیں۔ اور نکاح کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ یہاں پر فقط حقوق زوجیت ادا کرنا مراد ہے۔'' چنانچہ میں اس کی وضاحت پہلے ہی کر چکا ہوں کہ بعض نے ابن ابی نجیح المعتزلی کی مجاہد سے اخذ کی گئی تفسیر کو معتبر بھی قرار دیا ہے۔ خیر طلب میاں نے اپنا علمی رعب قارئین پر جھاڑنے کے لئے فقط اتنا کیا کہ جنہوں نے ابن ابی نجیح کی مجاہد سے اخذ کی گئی تفسیر کو معتبر قرار دیا، ان کے حوالے پیش کر دیئے۔ اور پھر فرماتے ہیں کہ ''دلیل و استدلال ضروری ہے جو ہماری تحریر میں ملیگا''۔ یہ دلیل و استدلال ہمیں کھجوا کے شیعہ اکابرین کی کتب میں بھی ملا، جنہوں نے قرآن کی آیت ''**یریدون ان یبدلوا کلم الله**'' ترجمہ: ''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں'' سے یہ استدلال کیا کہ قرآن میں تحریف واقع ہو چکی ہے۔ ﴿**مشعل ھدایت ،سید اظھار حسین ، ص ۷**﴾ نیز فرماتے ہیں کہ ''غرض جامعین قرآن نے اس آیہ کریمہ سے **ان علیا مولی المومنین** کو غائب کر دیا اب اونکے ہوا خواہ اور تابعین کہتے ہیں کہ اس آیہ میں حضرت علی کی خلافت کے متعلق اشارہ بھی نہیں ہے''۔ ﴿**مشعل ھدایت ، سید اظھار حسین ، ص ۳۲۰**﴾ اور ان کا ایک مضمون ''اہلسنت کا قرآن'' کے عنوان سے رسالہ اصلاح میں چھپا، جو اپنے زمانہ کا بدنام زمانہ شیعہ رسالہ تھا، جیسا کہ اس کتاب کے ابتدائی صفحات میں لکھا ہے۔ معلوم نہیں اس میں موصوف نے کیا کیا گل کھلائیں ہوں گے۔ اور یہ کوئی چھوٹا موٹا شیعہ نہیں ہے، بلکہ رئیس کھجوا ''سید محمد عسکری'' نے اس کی کتاب پر تقریظ لکھی ہے، اور اس کی تحریف کے متعلق بیانات کی پذیرائی بھی کی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے ''ابتداء ہی میں ص ۵ پر آیات قرآنی کے ردوبدل کا اچھا ثبوت دیا ہے کہ کہیں کی آیت کہیں پائی جاتی ہے جس سے محکمات بھی متشابہات ہوئے جاتے ہیں''۔ اور کسی مرزائی کے جواب میں کھجوا کا شیعہ ملا علی حیدر یوں گویا ہوا ''جناب امیر کا نام بھی قرآن مجید میں موجود ہے **وانہ فی ام الکتاب لعلی حکیم** '' ﴿**رد الملاحدہ ص ۲۶۳**﴾

مجاہد سے فقط ایک سند سے نکاح المتعہ کے الفاظ مروی ہیں، جبکہ پانچ اسناد میں فقط نکاح کے الفاظ ہیں، جس کا مطلب مباشرت ہوگا، نہ کہ نکاح المتعہ۔ ان پانچ اسناد میں سے تین اسناد ایسی ہیں جن میں ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کی ہے۔ چنانچہ اگر آپ ابن ابی نجیح کی تفسیر کو بھی تسلیم کرتے ہیں، تب بھی کثرتِ طرق کی بنا پر النکاح کا لفظ ثابت ہوتا ہے، نہ کہ نکاح المتعہ کا۔

حدثنا المثنى قال : حدثنا أبو حذيفة قال : حدثنا شبل ، عن ابن أبي نجيح ، عن مجاهد : فما استمتعتم به منهن : النكاح ﴿تفسیر الطبری﴾

میں نے اس کا ذکر پہلے بھی کیا تھا، لیکن جب کسی نے مکر و فریب سے ہی اپنا موقف ثابت کرنا ہو، وہ اس کی طرف توجہ کیوں دے گا۔

اسی طرح اس کی تائید ایک دوسری سند سے بھی ہوتی ہے جو کہ تفسیر طبری ہی میں موجود ہے۔

حـدثـنـا الـقـاسم ، قال : ثنا الحسين ، قال : ثني حجاج ، عن ابن جريج ، عن مجاهد ، قول فما استمتعتم به منهن قال: النكاح أراد ﴿تفيسر طبری﴾

اسی طرح ابوجعفر النحاس نے ایک اور سند سے مجاہد سے یوں روایت کی ہے۔

كما حدثنا أحمد بن محمد الأزدی، قال حدثنا ابن أبی مريم، قال حدثنا الفريابی ، عن ورقاء ، عن ابن أبی نجيح ، عن مجاهد فما استمتعتم به منهن قال : النكاح ﴿الناسخ والمنسوخ للنحاس ج ١ ص ٢٥٥﴾

اسی طرح ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ''التمهید'' میں ایک اور سند سے مجاھد سے یوں روایت کی ہے۔

حـدثـنـا مـحـمـد بن عبد الله قال : حدثنا محمد بن معاوية قال : حدثنا أصحاب الفضل بن الحباب قال : حدثنا مسـلـم بـن إبـراهـيـم قـال : حـدثـنـا شعبة ، عن منصور ، عن مجاهد فی قوله فما استمتعتم به منهن قال : النكاح ﴿التمهيد ج ١٠ ص ١٢٢﴾

نیز تفسیر ابن المنذر میں بھی ابن ابی نجیح کی سند سے مجاہد سے جو قول نقل ہوا ہے، اس میں بھی فقط نکاح کا لفظ ہے۔

حـدثـنـا موسى قال حدثنا عبد الاعلى قال حدثنا مسلم عن ابن ابی نجيح عن مجاهد فی قوله عز و جل ﴿الآية﴾ قال : النكاح ﴿تفسير ابن المنذر ج ٢ ص ٦٤١﴾

اس لئے کثرتِ طرق کو اگر دیکھا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مجاہد سے اس کی تفسیر میں النکاح کے الفاظ ثابت ہیں، نہ کہ نکاح المتعہ۔ جس سے ثابت ہوا کہ مجاہد کے مطابق اس آیت سے مراد متعہ نہیں بلکہ مباشرت ہے۔

قولہ : قارئین کرام اب ہم مفسر قرآن وحبر امت جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نقطہ نظر کو یہاں واضح کریں گے۔ اس پر جملہ اعتراضات جو کلام صاحب کی طرف سے ہوئے ہیں اس کا جواب بھی دیا جائے گا۔

اعتراض: ابن عباس نے متعہ کی اباحت کے قول سے رجوع کر لیا تھا۔

بحوالہ مسند ابوعوانہ

جواب: جناب کلام صاحب جب ہم کوئی روایت نقل کرتے ہیں تو اس پر اتنی شدید جراح ونقد کی جاتی ہے کہ جیسے آسمان ٹوٹ پڑے اور جب آپ کوئی روایت پیش کریں تو اس میں ان اصول وقوانین کی رعایت کرنا ایک غیر معنی بات لگتی ہے۔ ابن عباس کا مذہب اتنا مشہور ومعروف ہے کہ سوائے چنیدہ حضرات جن کو اپنے علماء کی تحریرات سے شغف نہیں، کوئی انکار نہیں کرتا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذہب ابن عباس کی وضاحت کر دی جائے۔ اور اس کے بعد دعویٰ رجوع پر سیر بحث کی جائے۔

اقول : مسئلہ یہ ہے کہ آپ روایات پر جرح ونقد اصول وقوائد کی بجائے اپنے فائدے کو دیکھ کر کرتے ہیں۔اسی لئے کہیں پر ہمارے خلاف مرسل سے دلیل پکڑتے ہیں، اگر چہ اس مرسل میں کئی خامیاں مزید ہوں، اور جب آپ کو لگتا ہے کہ مرسل روایت آپ کے خلاف جا رہی ہے، تو آپ مرسل کی تضعیف کرنے میں لگ جاتے ہیں۔کہیں پر کسی روایت کی سند میں ناصبی ہو، اور آپ کے موقف کے خلاف ہو، تو آپ ناصبی کی وجہ سے روایت کو ضعیف قرار دینے پر بضد نظر آتے ہیں، اور کسی دوسری جگہ کسی روایت کی سند میں خارجی ہو، اگر چہ اس کی توثیق بھی نہ کی گئی ہو، تب بھی آپ اس کو قبول کرنے میں بچوں کی طرح بضد نظر آتے ہیں۔کسی روایت میں کوئی صاحب الاجماع ہو، اور وہ مرسل روایت بیان کرے، اور وہ روایت آپ کی تائید بھی کر رہی ہو، تو آپ فرمانے لگتے ہیں کہ ہمارے علماء کی ایک جماعت اصحاب الاجماع کی مراسیل کو قبول کرتی ہے، اور کسی روایت میں کوئی صاحب الاجماع ہو، اور وہ روایت آپ کے موقف کے خلاف جا رہی ہو، تو آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کی ایک جماعت نے اصحاب الاجماع کی روایات کو قبول نہیں کیا۔کسی روایت کی سند نہ ہو، تو شور مچاتے ہیں کہ اس کی تو کوئی سند ہی نہیں، اور اگر ایسی ہی کوئی بے سند روایت آپ کے موقف کی تائید کرتی ہو، تو آپ اس کے لئے تاویلیں ڈھونڈنے میں سب کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔پھر آپ کو اعتراض ہوتا ہے کہ کلام آپ کی پیش کردہ روایتوں پر سخت جرح ونقد کرتا ہے۔آپ کی علمی خیانتیں تو ایسی ہیں کہ چھپائے نہیں چھپتی۔اب چونکہ میں بسند صحیح ابن عباسؓ کا رجوع ثابت کر رہا ہوں، تو آپ کو علماء کے اقوال یاد آ گئے ہیں۔میں کہتا ہوں تم ان علماء کا بھی تذکرہ کرتے جنہوں نے ابن عباسؓ کے رجوع کو تسلیم کیا، تو صورتحال خود ہی واضح ہو جاتی لیکن اب ہم ہی اس کو بیان کر دیں گے انشاء اللہ۔

قولہ : ہمارے پاس ابن عباس کے مذہب کے اثبات کے مختلف طرق ہیں، ایک طریقہ یہ ہے کہ روایات کو نقل کی جائے اور پھر اس پر بحث کی جائے۔جو یقیناً اس سب سے بہتر طریقہ ہے کیونکہ اس میں قیل وقال نہیں چلے گی، لیکن اس طریقہ میں ایک واضع مسئلہ یہ ہے کہ پھر ان ضعیف آثار کو بیچ میں لا دیا جائے گا جس میں ابن عباس کا رجوع لکھا ہے اور یوں بحث اپنے محور سے ہٹ جائے گی۔دوسرا طریقہ علماء اہلسنت کے اقوال سے استنباط کرنا ہے جو یقیناً بحث کے ہر زاویہ اور قیل قال کی تحلیل کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچیں ہوں گے۔اس کا فائدہ یہ ہے کہ معترض کہ پاس بھاگنے کا کوئی موقعہ نہ رہے گا۔

البتہ معتبر روایات جو مطالب آئیں ہیں ان کی طرف اشارہ ضروری ہے تا کہ قارئیں آثار و روایات کے معاملہ میں اپنے آپ کو تشنہ محسوس نہ کریں۔چناچہ ابن عباس وہی شخص ہے

ا۔جن کا عبداللہ بن زبیر سے متعہ کے حوالہ سے معرکتہ الارا مناظرہ موجود ہے جس میں معترضین کو دندان شکن

جواب دے کر خاموش کروایا گیا۔

۲۔جنہوں نے اسماء دختر خلیفہ اول کے مایہ ناز و فیصلہ کن متعہ کی روئیداد کو نقل کیا۔

۳۔جنہوں نے سورۃ النساء آیت ۲۴ کی قرات اس انداز سے کی کہ جس سے متعہ کا اثبات واضع ہوتا ہو۔اب قرات کو کوئی تفسیر سے تعبیر کرے یا تحریف سے، ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ جس کی جو تحقیق وہ اس پر عمل کرے۔

۴۔جنہوں نے عمر بن خطاب خلیفہ دوم کہ اس عمل پر خوب تنقید کی اور متعہ کو رحمت سے تعبیر کیا۔

حق چار یاریوں کے لیے ان چار حوالہ جات کو مناسب جانتے ہوئے تحقیق کے سفر کو آگے بڑھاتے ہیں۔

اقـول :۔مزید ہم بیان کرتے جائیں کہ ابن عباسؓ وہی شخص ہے جس کے متعلق نہج البلاغہ میں درج ہے کہ حضرت علیؑ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا

فلما رایت الزمان علی ابن عمک قد کلب ، والعدو قد حرب ، امانة الناس قد خزیت ، وھذہ الامة قد فتکت وشغرت قلبت لابن عمک ظھر المجن ففارقته مع الفارقین ، وخذلته مع الخاذلین وخنته مع الخائنین، فلا ابن عمک اسیت ، ولا الامانة ادیت. وکانک لم تکن الله ترید بجھادک وکانک لم یکن علی بینة من ربک وکانک انما کنت تکید ھذہ الامة عن دنیاھم وتنوی غرتھم عن فیئھم. فلما امکنتک الشدة فی خیانة الامة اسرعت الکرة وعاجلت الوثبة ، واختطفت ما قدرت علیه من اموالھم المصونته لاراملھم وایتامھم اختطاف الذئب الاذل دامیة المعزی الکسیرة فحملته الی الحجاز رحیب الصدر بحمله غیر متاثم من اخذہ کانک لا ابا لغیرک. حدرت الی اھلک تراثاً من ابیک وامک فسبحان الله ! اما تعمن بالمعاد؟ او ما تخاف نقاش الحساب؟ ایھا المعدود کان عندنا من ذوی الالباب کیف تسیغ شراباً وطعاماً وانت تعلم انک تاکل حراماً و تشرب حراما؟ وتبتاغ الاماء وتنکح النساء من مال الیتامی والمساکین والمومنین والمجاھدین الذی افاء الله علیھم ھذہ الاموال واحرز بھم ھذہ البلاد.

جب تم نے دیکھا کہ زمانہ تمہارے چچازاد بھائی کے خلاف حملہ آور ہے اور دشمن بپھرا ہوا ہے۔امانتیں لٹ رہی ہیں اور امت بے راہ اور منتشر و پراگندہ ہو چکی ہے تو تم نے بھی اپنے ابن عم سے رخ موڑ لیا اور ساتھ چھوڑنے والوں کے ساتھ تم نے بھی ساتھ چھوڑ دیا، اور خیانت کرنے والوں میں داخل ہو کر تم بھی خائن ہو گئے۔اس طرح نہ تم نے اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ ہمدردی ہی کا خیال کیا، نہ امانت داری کے فرض کا احساس کیا۔گویا اپنے جہاد سے تمہارا مدعا خدا کی رضامندی نہ تھا اور گویا تم اپنے پروردگار سے کوئی روشن دلیل نہ رکھتے تھے اور اس امت کے ساتھ اس کی دنیا بٹورنے کے لئے چال چل رہے تھے اور اس کا مال چھین لینے کے لئے غفلت کا موقع تاک رہے تھے۔ چنانچہ امت کے مال میں بھرپور خیانت کرنے کا موقع تمہیں ملا، تو جھٹ سے دھاوا بول دیا، اور جلدی سے کود پڑے اور جتنا بن پڑا، اس

مال پر جو بیواؤں اور یتیموں کے لئے محفوظ رکھا گیا تھا، یوں جھپٹ پڑے جس طرح پھرتیلا بھیڑیا زخمی اور لاچار بکری کو اچک لیتا ہے اور تم نے بڑے خوش خوش اسے حجاز روانہ کر دیا اور اسے لے جانے میں گناہ کا احساس تمہارے لئے سدراہ نہ ہوا۔ خدا تمہارے دشمنوں کا برا کرے، گویا یہ تمہارے ماں باپ کا ترکہ تھا جسے لے کر تم نے اپنے گھر والوں کی طرف روانہ کر دیا۔ اللہ اکبر کیا تمہارا قیامت پر ایمان نہیں؟ کیا حساب کتاب کی چھان بین کا ذرا بھی ڈر نہیں؟ اے وہ شخص جسے ہم ہوش مندوں میں شمار کرتے تھے، کیونکر وہ کھانا اور پینا تمہیں خوش گوار معلوم ہوتا ہے اور حرام پی رہے ہو۔ تم ان یتیموں، مسکینوں، مومنوں اور مجاہدوں کے مال سے جسے اللہ نے ان کا حق قرار دیا تھا، اور ان کے ذریعہ سے ان شہروں کی حفاظت کی تھی، کنیزیں خریدتے ہو، اور عورتوں سے بیاہ رچاتے ہو۔ ﴿نهج البلاغه مكتوب نمبر ۴۱﴾

اسی طرح رجال کشی کی روایت پڑھیئے۔

جعفر بن معروف، قال حدثنا يعقوب بن يزيد الانبارى ، عن حماد ابن عيسى ، عن ابراهيم بن عمر اليمانى ، عن الفضيل بن يسار، عن ابى جعفر عليه السلام قال اتى رجل ابى عليه السلام فقال : ان فلانا يعنى عبدا لله بن العباس يزعم انه يعلم كل آية نزلت فى القرآن فى اى يوم نزلت وفيم نزلت .قال فسله فيمن نزلت "ومن كان فى هذه اعمى فهو فى الآخرة اعمى واضل سبيلا"

فضیل بن یسار سے مروی ہے کہ امام باقر نے فرمایا: ایک شخص میرے والد (امام زین العابدین) کے پاس آیا اور کہا کہ فلاں یعنی عبداللہ بن عباس یہ دعوی کرتا ہے کہ وہ قرآن کی ہر آیت کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ کس دن نازل ہوئی، اور کس کے متعلق نازل ہوئی۔ تو میرے والد نے اسے کہا کہ تم اس سے پوچھو کہ قرآن کی یہ آیت "اور جو شخص اس (دنیا) میں اندھا ہو، وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور (نجات کے) رستے سے بہت دور" کس کے متعلق نازل ہوئی۔ ﴿رجال كشى ج ۱ ص ۲۷۴﴾

اس روایت کی ذیل میں شیعہ عالم محقق داماد فرماتے ہیں "**وبالجملة هذه الحديث الشريف طريقه صحيح على الاصح**" یعنی اس حدیث شریف کا طریق صحیح ہے۔ گستاخِ اہل بیت شیخ یاسر خبیث اس روایت کے متعلق کہتا ہے "**وقد ناقش بعض الرجاليين فى سند هذه الرواية، والحال ان بعض من ضعفوه -كابراهيم بن عمر اليمانى موثق عند آخرين كالنجاشى وغيره**" یعنی بعض رجالی حضرات نے اس روایت کی سند پر اعتراض کیا ہے، جبکہ ان میں سے بعض راوی جن کی انہوں نے تضعیف کی ہے، مثلاً ابراہیم بن عمر الیمانی، وہ دوسروں کے نزدیک موثق ہیں جیسے کہ نجاشی وغیرہ۔

اس کے علاوہ بھی ایک روایت رجال کشی میں موجود ہے، جس میں حضرت علی نے حضرت عباسؓ کے دونوں بیٹوں یعنی عبداللہ اور عبیداللہ پر لعنت کی ہے اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالی ان کو نابینا کر دے چنانچہ فرمایا ہے "**اللهم العن ابنى فلان واعم ابصارهما كما عميت قلوبهما**"۔ ﴿رجال كشى ج ۱ ص ۲۷۰﴾ اگرچہ اس کی سند میں محمد بن سنان کو محقق داماد نے اصح قول کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے، لیکن ساتھ ہی لکھا ہے کہ اس کی توثیق بھی بعض شیعہ علماء جیسے شیخ مفید اور شیخ الاعظم مرتضی انصاری نے کی ہے۔ اور مجلسی نے اس کی سند کو معتبر قرار دیا ہے۔ ﴿حيات القلوب ج ۲ ص ۸۶۵﴾

اور پھر الکافی کی ایک روایت میں تو ابن عباسؓ کی ایسی مذمت بیان کی گئی ہے جس کو پڑھ کر خیر طلب جیسے لوگوں کو شرم کے مارے ڈوب مرنا چاہئے۔ ملاحظہ فرمایئے:

امام جعفر اپنے والد امام باقر کا ایک واقعہ سناتے ہیں کہ ایک روز امام صاحب بیٹھے ہوئے تھے کہ یکا یک خود بخود ہنسنے لگے اور اس قدر زور سے ہنسی آئی کہ آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ پھر لوگوں سے فرمایا کہ اس وقت مجھے ابن عباس کا ایک واقعہ یاد آ گیا، اسی پر مجھے اس قدر ہنسی آئی۔ اس کے بعد امام صاحب نے اپنی اور ابن عباس کی ایک گفتگو اپنے دلدادوں کو سنائی، جس میں انہوں نے ابن عباس سے مخاطب ہو کر کہا

هكذا احكم الله ليلة ينزل فيها امره ان جحدتها بعدما سمعتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم فادخلك الله فى النار كما اعمى بصرک يوم جحدتها على ابن ابى طالب عليه السلامقال فذلک عمى بصرى .

ایسا ہی حکم اللہ کا اس رات میں جس میں اللہ کا حکم نازل ہوتا ہے، اگر تم اس بات کا انکار کرو گے بعد اس کے کہ رسول خدا ﷺ سے سن چکے ہو، تو اللہ تم کو دوزخ میں داخل کر دے گا جس طرح تمہاری آنکھ خدا نے اس دن پھوڑ دی تھی جس دن تم نے علی بن ابی طالب سے اس کا انکار کیا تھا۔ ابن عباس نے کہا کہ ہاں آنکھ تو میری اسی وجہ سے پھوٹ گئی تھی۔

امام صاحب مزید فرماتے ہیں **فاستضحكت ثم تركته يومه ذلک لسخافة عقله** یعنی پھر مجھے ہنسی آ گئی، اور اس کے بعد میں نے اس سے بات کرنا چھوڑ دی، کیونکہ وہ بڑا بے وقوف شخص تھا۔ اور اس کے بعد ایک دفعہ پھر جو ملنا ہوا تو ابن عباسؓ کو مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ **هلكت واهلكت** یعنی تم بھی ہلاک ہوئے اور دوسروں کو بھی ہلاک کر ڈالا۔ ﴿الکافی ج ۱ ص ۲۴۷﴾

اس روایت کے متعلق شیخ یاسر خبیث کہتا ہے کہ **وقد ناقش بعض الرجاليين فى سند هذه الرواية ايضا من جهة تضعيف الحسن بن العباس بن حريش مع ان الراوى ليس بمتهم فى شىء** یعنی بعض رجالی حضرات نے اس روایت کی سند پر بھی حسن بن عباس بن حریش کی تضعیف کی وجہ سے اعتراض کیا ہے، حالانکہ یہ راوی کسی چیز میں متہم نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ رجال کشی کی دونوں اسناد بھی ضعیف ہیں، اور الکافی کی سند بھی ضعیف ہے، لیکن شیعہ علماء کے اقوال بیان کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ بعض شیعہ جہلاء اہلسنت پر اعتراض کرتے ہیں جب علماء کے اقوال میں اختلاف آ جاتا ہے، اور انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ ان کے علمِ حدیث کا کیا حال ہے۔ بہر حال رجال کشی اور الکافی کی اسناد ضعیف ہیں، لیکن نہج البلاغہ کا خطبہ عبداللہ بن عباسؓ کی مذمت میں وارد ہوا ہے، اور ان تینوں روایات سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ اہل تشیع کے بارہ ائمہ کے نزدیک ابن عباسؓ کوئی ایسی قابل قدر شخصیت نہیں، جس سے شیعوں کو ہدایت حاصل کرنی چاہئے۔ مشہور شیعہ عالم اور محقق میرزا محمد باقر لاہیجانی نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں واضح طور پر اس مکتوب میں مخاطب شخص سے مراد حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تسلیم کیا ہے۔ شرح نہج البلاغہ منظوم میں لکھا ہے کہ **از مطالعه مطالب وجملات مكتوب ظن نزديک بيقين براى انسان حاصل مى شود كه مخاطب ابن عباس است** یعنی مطالب اور جملات مکتوب کے مطالعہ کے بعد انسان کا ظن یقین میں تبدیل ہو جاتا ہے کہ مخاطب ابن عباسؓ ہے۔

اسی طرح شرح منہاج البراعہ میں شیخ حبیب اللہ الخوئی نے بھی لکھا ہے کہ **والاکثر علی انہ عبد اللہ بن عباس** اکثر کے نزدیک اس سے مراد عبداللہ بن عباس ہے۔ ابن میثم نے بھی اپنی شرح میں لکھا ہے کہ **المشهور ان هذ الكتاب الى عبدالله بن عباس حين كان واليا له على البصرة ، والفاظ الكتاب تنبه على ذلك** مشہور قول یہ ہے کہ اس مکتوب کا مخاطب عبداللہ ابن عباس ہے، اور اس مکتوب کے الفاظ اس پر خبردار کرتے ہیں۔ شیخ محمد جواد مغنیہ اپنی شرح میں لکھتے ہیں: **اكثر الباحثين او الكثير منهم قالوا ان هذه الرسالة كتبها الامام لابن عمه عبد الله بن عباس** اکثر تحقیق و تجیث کرنے والے حضرات کے نزدیک یہ مکتوب امام علی نے اپنے چچازاد بھائی عبداللہ بن عباس کو لکھا۔ نیز نہج البلاغہ کے محقق شیخ فارس تبریزیان نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ اس مکتوب میں حضرت علی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ہی مخاطب کیا ہے۔

موصوف فرماتے ہیں کہ ''دوسرا طریقہ علماء اہلسنت کے اقوال سے استنباط کرنا ہے جو یقیناً بحث کے ہر زاویہ اور قیل قال کی تحلیل کے بعد کسی نتیجہ پر پہنچیں ہوں گے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ معترض کہ پاس بھاگنے کا کوئی موقعہ نہ رہے گا۔'' میں کہتا ہوں کیا ہی اچھا ہوتا جو آپ اس طریقے کو ہر جگہ استعمال کرتے۔ لیکن چونکہ یہاں پر موصوف نے اس مقام پر بحث کو علماء کے اقوال تک محدود رکھا ہے، تو ہم بھی یہاں خواہ مخواہ روایات کو درمیان میں نہیں لائیں گے۔

قوله : علماء اہلسنت کی تصریح کے ابن عباس متعہ کو جائز و حلال سمجھتے

۱۔ ابن تیمیہ الحرانی:

سب سے پہلے ہم مذہب اہلسنت کے شیخ الاسلام جو ہمارے نزدیک شیخ الامویہ ہے اور شیعہ دشمنی میں سند و میزان سمجھے جاتے ہیں ابن تیمیہ الحرانی کا قول نقل کرتے ہوئے جو اس تحریر کے ایک حصہ میں نقل کیا گیا ہے۔

چنانچہ ابن تیمیہ رقم طراز ہے: **انه رخص فيه ابن عباس وطائفة من السلف ؛بخلاف التحليل فاء نه لم يرخص فيه احد من الصحابة** ۔ نکاح متعہ کی اجازت ابن عباس اور سلف میں سے ایک گروہ نے دی ہے جب کہ حلالہ کی اجازت کسی بھی صحابی نے نہیں دی۔ **حواله :مجموع الفتاوی جز ۳۲، ص۹۳ ،۲**۔ اہل مکہ اور اہل یمن کی وضاحت علامہ اوزاعی جو فقیہ شام ہے اور تعارف کے محتاج نہیں، ان کا قول یہ واشگاف موجود ہے: اہل حجاز کے قول سے ۵ باتیں چھوڑ دی جائیں اور ان میں سے ایک یہ بات تھی کہ اہل مکہ کا فتوی کے متعہ حلال ہے اور اہل مدینہ کا قول کہ دبر سے جمع کرنا جائز ہے۔ **حواله :نيل الاوطار ،جز ۶،ص ۱۶۸ ۔الناشر ۔دارالحديث ،مصر** اس قول کا اصل ماخذ علامہ حاکم نیشاپوری کی کتاب **معرفته علوم حديث صفحه ۶۸ نوع نمبر ۲۰ ،ناشر دارالکتب العلميه** عربی عبارت یہ رہی: **ثنا ابوالعباس محمد بن**

يعقوب قال:اخبرنا العباس بن الوليد البيروتي قال:ثنا ابو عبدلله بن بحر قال:سمعت الاوزاعي يقول :يتجنب او يترک من قول اهل العراق خمس ،ومن قول اهل الحجاز خمس ،ومن قول اهل العراق :شرب المسکر والاکل عند الفجر في رمضان ،والا جمعته الا في سبعة امصار ،وتاخير صلاةالعصر حتی يکون ظل کل شيء اربعة امثاله والفرار يوم الزحف ومن قول اهل الحجاز :استماع الملاهي والجمع بين الصلاتين من غير عذر والمتعة بالنساء والدرهم بالدرهمين والدينار بالدينارين يدابيد واتيان النساء في ادبارهن

اس عبارت کونقل کرنا دراصل ابن عباس کی بات سے مربوط کرنا تھا کیونکہ اہل مکہ یا اہل حجاز کا قول ہوا میں تیر چلانے کا مصداق نہیں بلکہ ان کی دلیل ابن عباس کا متعہ کو حلال جاننا ہے چناچہ اگلے ہی صفحہ میں علامہ شوکانی کہتے ہیں:

روي اهل مکه واليمن عن ابن عباس اباحة المتعة اہل مکہ اور اہل یمن ابن عباس سے متعہ کی اباحت کا قول نقل کرتے ہیں۔ حواله :نيل الاوطار ،جز ،٦-ص-١٦٢ -الناشر -دارالحديث ،مصر ٣ -علامہ ابوعمر صاحب الاستیعاب کا قول الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب علامہ ابن عبدالبر ابوعمر کی بیش بہا کتاب ہے جس کو ہر اہلسنت توصیف وتعریف کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔علامہ ابوعمر کبھی نہیں چاہیں گے کہ صحابی پر آنچ بھی آئے لیکن وہ بھی رافضیوں والے متعہ کو ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔چناچہ یہ قول باوقار ابھی بھی کتب کی زینت بنا ہوا ہے۔اصل عبارت کچھ یوں ہے:

قال ابو عمر :اصحاب ابن عباس من اهل مکةواليمن کلهم يرون المتعة حلالا علی مذهب ابن عباس اہل مکہ واہل یمن میں سے ابن عباس کے تلامذہ واصحاب تمام متعہ کو حلال جانتے تھے اور اسکی وجہ ابن عباس کا متعہ کو حلال جاننا تھا۔ حواله :الاستذکار الجامع لمذاهب فقهاء المصار جز -٥،ص الناشر -دارالکتب العلمية -بيروت یہی بات علامہ قرطبی نے اپنی کتاب الجامع لاحکام القرآن -جز-٥،صفحه -١٣٣،الناشر -دارالکتب المصرية-القاهرة میں نقل کی ہے۔ ۴-علامہ ابن حجر عسقلانی کا فیصلہ حافظ الدنیا رقم طراز ہے: اجازةالمتعةعنه اصح وهو مذهب الشيعة ابن عباس سے متعہ کی اباحت واجازت زیادہ صحیح بات ہے جو کہ مذہب شیعہ کا مسلک بھی ہے حواله: فتح الباري -جز -٩،ص -١٧٣ ۵-علامہ ابن کثیر الشامی کا فیصلہ علامہ کہتے ہے: قد ذهب بعض السلف منهم اب عباس الی اباحتها سلف میں سے بعض جن میں ابن عباس بھی شامل ہے اس کی اباحت کے قائل تھے۔ حواله :البدایۃ والنہایۃ۔جز۶،ص۔۲۷۹۔ علامہ ابن کثیر ۵ صفحات کے بعد ہی یہ لکھتے ہیں: ومع هذا مارجع ابن عباس عما کان يذهب اليه من اباحت الحمر والمتعة اس کے باوجود ابن عباس کا متعہ کو جائز جاننا اور

پالتو گدھے کے گوشت کو حلال جاننے میں کبھی رجوع نہیں کیا۔ حوالہ :البدایة والنهایة۔جز ٦، ،ص۔٢٧٨ ٥۔علامہ ابوالفرج حلبی کا فیصلہ: علامہ حلبی اپنی مشہور سیرت کی کتاب میں رقم طراز ہے: وفی کلام فقهائنا:والنهی عن نکاح المتعة فی خبر الصحیحین الذی لو بلغ ابن عباس رضی الله عنهما لم یستمر علی القول بابا حتها ہمارے فقہاء کے قول کے مطابق نکاح متعہ کے منع کے حوالے سے صحیحین میں خبر موجود ہے جو اگر ابن عباس تک پہنچ جاتی تو وہ متعہ کی حلت پر باقی نہ رہتے۔ حوالہ :انسان العیون فی سیرة الامین المامون جز ٣ ص ٣٦٧، الناشر: دارالکتب العلمیة ۔ بیروت ٧۔ علامہ شوکانی کا فیصلہ علامہ صاحب کہتے ہیں واجازة المتعة عنه اصح وهو مذهب الشیعة ابن عباس سے متعہ کی اباحت واجازت زیادہ صحیح بات ہے جو کہ مذہب شیعہ کا مسلک بھی ہے۔حوالہ: نیل الاوطار جز ٦ صفحہ ١٦٢، الناشر: دارالحدیث، مصر ٨۔علامہ ملا علی قاری حنفی کا فیصلہ فقد ثبت انه مستمر القول علی جوازها ولم یرجع الی قول علی یہ بات پایہ ثبوت تک ہے کہ ابن عباس متعہ کے جواز کے فتوے پر پوری زندگی قائم رہے اور انہوں نے امام علی ع کے قول کی طرف مراجعت نہیں کی جو حرمت متعہ پر تھا۔ حواله : مرقاة المفاتیح شرح مشکلة المصابیح جز ٥ ص ٢٠٧٥، الناشر: دار الفکر، بیروت۔ لبنان، کتاب النکاح ٩۔علامہ قاضی خان حنفی علامہ فرماتے ہیں ولا ینعقد النکاح بلفظة المتعة وهی باطله عندنا لا تفید الحل خلافا لابن عباس و مالک رضی الله عنهما نکاح متعہ کے الفاظ سے منعقد نہیں ہوتا، اور ایسا نکاح ہمارے نزدیک باطل جو حلال نہیں برخلاف ابن عباس اور مالک بن انس کے جو جائز سمجھتے ہیں۔ حوالہ : فتاوی قاضی خان، جز اول، ص ١٥١، طبع نولکشور لکھنوو ص ٣٢٤ طبع شامل ۔ ١٠ ۔ علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہے: فقد ثبت انه مستمر القول علی جوازها ولم یرجع الی قول علی یہ بات پایہ ثبوت تک ہے کہ ابن عباس متعہ کے جواز کے فتوے پر پوری زندگی قائم رہے اور انہوں نے امام علی ع کے قول کی طرف مراجعت نہیں کی جو حرمت متعہ پر تھا۔ حواله : فتح القدیر، جز ٣ ،ص ٢٤٩، ناشر : دارالفکر۔

تبصرہ: ہم دس گزارشات اہلسنت قارئین کے حضور پیش کر رہے ہیں، باقی ابھی اور حوالے جات بھی ہیں لیکن فی الحال دس علماء کے اقوال پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

اقول : اب میں بھی علماء اہلسنت ہی کے اقوال پیش کرتا ہوں، جنہوں نے ابن عباسؓ کے رجوع کو تسلیم کیا۔

۱۔ ابوبکرالدمیاطی نے لکھاہے کہ (وما نقول عن ابن عباس من جوازها رجع عنه) ﴿حاشية إعانة الطالبين ج ۴ ص ۱۶۴﴾

۲۔ اسی طرح شمس الدین الشربینی فرماتے ہیں (وابن عباس رجع عنه كما رواه البيهقی) ﴿مغني المحتاج ج ۱۶ ص ۳۶۱﴾

۳۔ عبدالحی لکھنوی موطاامام مالک پراپنی تعلیق میں فرماتے ہیں(ثبت انه رجع عنه) ﴿التعليق الممجد على موطا محمد ج ۲ ص ۵۲۴﴾

۴۔ اسی طرح ابوبکرالجصاص احکام القرآن میں فرماتے ہیں(ولا نعلم احدا من الصحابة روي عنه تجريد القول في اباحة المتعة غير ابن عباس وقد رجع عنه) ﴿احكام القرآن ج ۳ ص ۱۰۲﴾

۵۔ابوبکرالسرخسی فرماتے ہیں (وابن عباس رضي الله عنهما كان يقول باباحة المتعة ثم رجع إلى قول الصحابة) ﴿اصول السرخسي ج ۱ ص ۳۲۱﴾

۶۔ ملاعلی قاری فرماتے ہیں(وابن عباس رضى الله عنه ، صح رجوعه بعد ما اشتهر عنه من اباحتها)﴿شرح مسند ابى حنيفه ج ۱ ص ۵۵۰﴾

۷۔ ابن عابدین فرماتے ہیں (وقد صح رجوع ابن عباس عن القول بجوازها) ﴿الدر المختار و حاشية ابن عابدين ج ۴ ص ۴۹۳﴾

۸۔ عبداللہ بن محمودالموصلی الحنفی فرماتے ہیں(وصح ان ابن عباس رجع الى قولهم) ﴿الاختيار لتعليل المختار ج ۳ ص ۸۹﴾

۹۔ ابوالحسین یحیی بن ابی الخیرالعمرانی الشافعی فرماتے ہیں (قلنا وقد رجع عنه) ﴿البيان فى مذهب الامام الشافعى ج ۹ ص ۲۷۷﴾

۱۰۔ علامہ ناصرالدین البیضاوی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں(وجوزها ابن عباس رضى الله عنهما ثم رجع عنه) ﴿تفسير البيضاوى ج ۲ ص ۶۹﴾

۱۱۔ تفسیر بحرالمحیط میں لکھاہے(والاصح عنه الرجوع الى تحريمها) . ﴿تفسير بحر المحيط ج ۳ ص ۵۸۹﴾

۱۲۔ علامہ ابوالعباس احمدالحسنی المغربی فرماتے ہیں (وجوزه ابن عباس رضى الله عنه ثم رجع عنه) . ﴿البحر المديد فى تفسير القرآن المجيد ج ۱ ص ۴۸۸﴾

گیارہ اصلی اورایک فرضی امام کی مناسبت سے ہم نے بارہ حوالے پیش کردیئے ہیں،لیکن ہمارے ان حوالوں میں کوئی حوالہ غیرحقیقی نہیں

ہے۔اوراس کے علاوہ بھی ابن عباس کے رجوع کے قائل کئی علماء کے نام گنوائے جاسکتے ہیں، پس خیر طلب کو جان لینا چاہئے، کہ کلام نے جوابن عباسؓ کے رجوع کا دعوی کیا ہے، تو یہ علماء کے اقوال میں ناپید ہرگز نہیں، اورابوعوانہ کی سند پر جو خیر طلب نے انتہائی ضعیف ترین اعتراضات کر کے خود کو شرمندہ کرنے کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں کیا، اس کا حال بھی آپ اگلی سطور میں ملاحظہ کرلیں گے۔

قوله : ابن عباس کا متعہ سے رجوع والی روایات ضعیف ہیں

اگر چہ اب مزید کلام کی حاجت نہیں رہ جاتی ابن عباس کے مسلک کو واضح کرنے کے لئے لیکن پھر بھی اتمام حجت کے طور پر ہم ان چند علماء اہلسنت کا نام ذکر کردیں جو ابن عباس کے رجوع کی روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔

۱۔ علامہ ابن حجر عسقلانی قول ابن بطال نقل ہوتے ہوئے کہتے ہے وروی عنه الرجوع باسانید ضعيفة ابن عباس سے متعہ کے رجوع کی روایات ہیں جو ساری ضعیف اسناد سے ہیں حواله : فتح الباری ، جز ۹، ص ۱۷۳، الناشر : دار المعرفة ۲۔ علامہ شوکانی قول ابن بطال نقل ہوتے ہوئے کہتے ہے: وروی عنه الرجوع باسانید ضعيفة ابن عباس سے رجوع کی روایات ہیں جو ساری ضعیف اسناد سے ہیں۔حواله : نیل الاوطار، جز ٦، ص ١٦٢، الناشر: دار الحديث، مصر ۳۔ علامہ شروانی کہتے ہے: ولعل الاولى من عدم صحة رجوع ابن عباس ابن عباس سے رجوع کی روایات کی صحت ثابت نہیں حواله : حاشية تحفة المحتاج فی شرح المنهاج ، جز ۷ ، صفحه ٢٢٤، الناشر : المكتبة التجارية الكبرى بمصر لصاحبها مصطفى محمد ۴۔ علامہ ابن حجر ہیثمی کہتے ہے: وحكاية الرجوع عنه لم تصح ابن عباس سے رجوع کی روایات کی صحت ثابت نہیں حواله : تحفة المحتاج فی شرح المنهاج ، جز ۷، صفحة ٢٢٤، الناشر ، المكتبة التجارية الكبرى بمصر لصاحبها مصطفى ۵۔ علامہ زکریا کاندھلوی علامہ صاحب لکھتے ہے: وهذا على انه لم يصح رجوع ابن عباس عنه یعنی ابن عباس سے متعہ کی اباحت کے حوالے سے رجوع صحیح نہیں حواله : اوجز المسائل ، جز ١٠، ص ٥٣٣، ناشر دار القلم دمشق نوٹ: ہمارے پاس علامہ مودودی کا فتوی اور ابن عباس کے مسلک کے حوالے سے ان کی گزارش اور ان کا ایک چاہنے والے مفتی صاحب کی گزارشات بھی ہیں جو کلام صاحب کے کمزور دلائل کو توڑنے کے لئے کافی ہے لیکن چونکہ مودودی ان پر حجت نہیں اس لئے ہم ایسی چیزوں کو نقل کرنے سے فی الحال احتراز کریں گے۔

علامہ البانی کا مسلک ابن عباس پر فیصلہ کن قول

علامہ البانی کہتے ہے وجملة القول : ان ابن عباس رضى الله عنه وروى عنه فى المتعة ثلاثه اقوال

: الاول : الاباحة مطلقا . الثانی : الاباحة عند الضرورة . والآخر : التحریم مطلقا وھذا مما لم یثبت عنہ صراحة بخلاف القولین الاولین فھما ثابتان عنہ

ابن عباس کے تین اقوال متعہ کے حوالے سے ملتے ہیں ۱۔مطلقت اباحت کی ۲۔ضرورت کے وقت جائز ہونا ۳۔ مطلق حرام ہونے کا ان میں سے تیسرا قول تو بالکل ثابت نہیں اگرچہ شروع کے دو اقوال یعنی اباحت کے ثابت ہے۔ ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل ، جز ٦ ، صفحة ٣١٩، الناشر : المکتب الاسلامی - بیروت

اقول : عرض ہے کہ جن روایات کو علماء نے ضعیف قرار دیا، ان سے میں نے استدلال نہیں کیا، اور جس روایت سے میں نے استدلال کیا ہے، اس کو علماء نے ضعیف قرار نہیں دیا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں نے جو روایت پیش کی ہے، اس کے ضعف پر خیر طلب صاحب علماء کے اقوال پیش کرتے، لیکن اس کی ہمارے مدمقابل کو توفیق نہیں ملی، چنانچہ اس بے بسی کی حالت میں موصوف کے پاس ادھر ادھر کی ہانکنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ یہاں تک کہ علامہ مودودی اور ان کے چاہنے والے ایک صاحب کے قول سے میرے دلائل توڑنے کو کافی سمجھتے ہیں، جبکہ علامہ مودودی کا علم حدیث میں کیا مقام ہے، اس سے ہم سب باخبر ہیں۔ چونکہ خیر طلب صاحب کے پاس کوئی کام کی بات نہیں ہے، لہذا فضولیات میں وقت ضائع کر کے فقط صفحات کالے کر رہے ہیں۔ اگر علامہ مودودی کو پیش بھی کیا گیا، تو میرے پاس بھی حافظ زبیر علی زئی کی مذکورہ روایت کے متعلق تصحیح موجود ہے، بلکہ ان کے نزدیک تو یہ روایت علی شرط مسلم ہے، جو علامہ مودودی صاحب اور ان کے چاہنے والے کے دلائل توڑنے کو کافی ہے۔ اور شیخ البانی نے ارواء الغلیل میں اس حوالے سے کئی روایات کو زیر بحث لایا ہے، لیکن مستخرج ابو عوانہ کی سند پر انہوں نے کوئی بحث نہیں کی۔

قولہ : ہم یہ بتاتے چلیں کہ اس قول کی سند میں واضح مسئلہ ہے چونکہ اس کو بایں سند نقل کیا گیا ہے: قال یونس : قال ابن شھاب : وسمعت الربیع بن سبرة یحدث عمر بن عبد العزیز ۔تنقیح اول: یونس بن یزید کا ابن شہاب زھری کی روایت میں ضعف ہے۔ اس دعوے کے اثبات کے لئے ہم مشاہیر اہلسنت کی اقوال کی طرف رجوع کریں گے۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی کہتے ہے: یونس بن زید اگرچہ ثقہ تھے لیکن ان کو زہری سے روایت میں تھوڑا وہم تھا اور زہری کے علاوہ راویوں میں خطا۔

اقول : اہلتشیع کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی راوی کثیر الخطا ہو، لیکن ان کے مذہب کے موافق کوئی روایت بیان کر رہا ہو، تو اس کی روایت قبول کرنے میں ہرگز دیر نہیں کرتے۔ جیسا کہ آگے حضرت معاویہؓ کے متعلق ایک روایت میں آپ ملاحظہ کر لیں گے جس میں ایک راوی کثیر الخطا اور دوسرا وہم سے متہم ہے۔ لیکن جو روایت ان کے موقف کے بر خلاف ہو، اس میں معمولی وہم بھی ان سے برداشت نہیں ہوتا۔ یونس بن یزید کے اس تھوڑے سے وہم کے باوجود یہ سند صحیح ہے۔ شیخ البانی نے خود "صحیح وضعیف سنن الترمذی" میں ایک ایسی سند کو صحیح قرار دیا جس میں یونس نے زہری سے روایت کی۔

حدثنا قتيبة حدثنا أبو صفوان عن يونس بن يزيد عن ابن شهاب الزهري ﴿صحيح وضعيف الترمذي ج ٢ ص ٨١﴾

ایک دوسری سند کو البانی صحیح اور امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا جس میں یونس نے ابن شہاب الزہری سے روایت کی ہے۔

حدثنا أحمد بن الحسن حدثنا سعيد بن أبي مريم حدثنا ابن وهب حدثني يونس عن ابن شهاب عن سالم عن أبيه عن رسول الله ﴿صحيح و ضعيف الترمذى ج ٢ ص ١٤٠﴾

اسی طرح امام حاکم نیشاپوری نے اپنی مستدرک میں یونس بن یزید کی زہری سے روایت کو صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے۔

أخبرنا أبو زكريا يحيى بن مهمد العنبري ثنا إبراهيم بن أبي طالب ثنا محمد بن يحيى ثنا عثمان بن عمر ثنا يونس بن يزيد عن الزهرى ﴿المستدرک ج ١ ص ١٥٦﴾

اسی طرح ایک اور حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا جس کی سند یوں ہے۔

حدثنا علي بن حمشاذ العدل ، ثنا الحسن بن عبد الصمد ، ثنا عبدان بن عثمان ، ثنا عبدالله بن المبارک ، عن يونس بن يزيد ، أخبرني أبو علي بن يزيد ، عن ابن شهاب، عن أنس ﴿مستدرک ج ٧ ص ٥٣﴾

اسی طرح صحیح بخاری مین ایک سند یوں ہے

حدثنا أحمد قال حدثنا ابن وهب قال أخبرني يونس بن يزيد عن ابن شهاب حدثني عبد الله بن كعب بن مالک أن كعب أخبره ﴿صحيح البخارى﴾

اور ایک دوسری سند یوں ہے

القاسم بن بكر بن مضر عن عمرو بن الحارث عن يونس بن يزيد عن ابن شهاب عن سعيد بن المسيب ﴿صحيح البخارى﴾

شعیب الأرنؤوط نے مسند احمد کی ایک روایت کی اسناد کو صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا، جس میں یونس نے زہری سے روایت کی۔

حدثنا عبدالله حدثني أبي ثنا يحيى بن آدم ثنا مبارک عن يونس عن الزهرى عن السائب بن يزيد ﴿مسند احمد بن حنبل ج ٣ ص ٤٩٩﴾

اور ایک دوسری سند کی اسناد کو بھی صحیح قرار دیا جس میں یونس نے ابن شہاب سے روایت کی۔

حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا علي بن إسحاق قال أنا عبد الله قال أنا يونس عن بن شهاب قال حدثني عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود ﴿مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۴۴۱﴾

گزارش یہ ہے کہ اگر میں یونس بن یزید کی ابن شہاب زہری سے روایت کی تصحیح علماء کرام کی کتب سے دکھاتا جاؤں تو خدشہ ہے کہ پڑھتے پڑھتے خیر طلب کی طبیعت مزید خراب ہو جائے گی۔ امید ہے کہ موصوف دوبارہ اسناد کے معاملے میں احتیاط سے کام لیں گے۔ یہ سند بالکل صحیح ہے۔ اس کے بعد خیر طلب نے مجھ پر مضحکہ خیز اعتراض کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

قولہ : کلام صاحب پوری روایت کو نقل کر دیتے تو بات اچھی ہوتی لیکن انہوں نے فقط اپنے مطلب کی بات نقل کی جس کو ہم ابھی طشت از بام کر دیں گے۔ روایت کے پہلے حصے میں ابن عباس شدومد سے متعہ کا دفاع کرتے ہے۔ جی ہاں قارئین کرام۔ روایت کے پہلے حصے کا من و عن ترجمہ کرنا خوف طوالت کے باعث نہیں کر رہا لیکن اس مضمون میں یہ باتیں ہیں۔ عبداللہ بن زبیر حضرت عبداللہ بن عباس کو طعنہ دے رہے ہیں ان الفاظ میں کہ خدا نے ابن عباس کو آنکھوں سے تو اندھا کر ہی دیا ہے اور اب دل سے بھی اندھا کر دیا ہے کیونکہ ابن عباس متعہ کی حلت کا فتوی دیتے ہیں۔ ابن عباس نے کہا کہ میری عمر کی قسم نکاح متعہ رسول ص کے زمانے میں ہوتا تھا پس یہ حلال ہے۔ ابن زبیر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں تمہیں پتھروں سے سنگسار کروں گا اس فتوی کی وجہ سے۔ ابن عباس متعہ کے بارے میں سوال کرنے والوں کو اس کی حلت کا فتوی دیتے یہاں تک کہ اہل علم حضرات نے اس فتوٰی حلت متعہ سے کراہت کا اظہار کیا۔ ابن عباس کے اس فتوے کی وجہ سے ان پر ایک نظم بھی بنائی گئی جو سراسر ان کے طعن پر مشتمل تھی۔ ناظرین کرام اب انصار کرنے والوں سے ہم انصاف کے طلب گار ہے کہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ عدالت صحابہ کا ڈھنڈورا پیٹنے والا بھلا اخلاق ابن زبیر والی پوری روایت اور ابن عباس کے جواب کو نقل کرتے تا کہ قارئین انصاف کرتے لیکن بس اپنے مطلب کی بات لینا ان کا پرانا اور پسندیدہ مشغلہ ہے۔ ہم منصف اہلسنت حضرات سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ اس روایت کے تناظر میں وہ پہلے تو عدالت صحابہ کا جنازہ نکالیں اور پھر ابن عباس جو اپنی پیری اور بڑھاپے کی عمر میں آ کر آنکھوں کی بینائی سے محروم ہوئے تھے ان کے استقلال کو سلام کریں کہ لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر کس شجاعت سے اپنے فتوے کا دفاع کیا۔ اب اتنی ادھیڑ عمر کا آدمی ایک فتوی کا دفاع کر رہا ہے اور ایک تابعی کا قول یوں نقل کیا جا رہا ہے۔ **قال ابن شهاب : وسمعت الربيع بن سبرة يحدث عمر بن عبد العزيز ، وانا جالس انه قال : ما مات ابن عباس حتى رجع عن هذه الفتيا** ۔ یعنی ابن عباس کا انتقال نہیں ہوا مگر یہ کہ انہوں نے متعہ کی حلت کے فتوے سے رجوع کر لیا۔

اقول : جی حضرت ابن عباس کے استقلال کو بھی سلام کریں، اور جب انہوں نے فتوے سے رجوع کرلیا، تو اس رجوع کو بھی بھرپور سلام پیش کیجئے، کیونکہ یہ باسند صحیح نقل ہوا ہے۔لیکن اہل تشیع کو دین میں من مانی کے پرانے شوق کی وجہ سے باقی سب تو تسلیم ہے، لیکن حضرت ابن عباسؓ کا رجوع جب صحیح سند سے ثابت ہوگیا، تو اس کو ہضم کرنا ان کے لئے مشکل ہورہا ہے۔بات اتنی سی ہے کہ حضرت ابوعوانہ نے اس ایک ہی روایت میں کئی اسناد کے ساتھ کئی واقعات کو نقل کیا ہے۔خوفِ طوالت کی وجہ سے خیر طلب خود اس کا ترجمہ نہیں کرنا چاہتے، اور ہمیں الزام دیتے ہیں کہ ہم نے پوری روایت کا ترجہ کیوں نہ کیا۔ معترض نے الزام ہمیں دیا، اور پھر خود بھی وہی جرم کرڈالا۔اگر ہم کہیں کہ یہ ایک روایت بہت سی روایات پرمبنی ہے تو غلط نہ ہوگا۔چنانچہ شروع میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس کا واقعہ نقل کیا، جس کے متعلق خیر طلب نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کہا (ابن زبیر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں تمہیں پتھروں سے سنگسار کروں گا اس فتوی کی وجہ سے) حالانکہ ابن زبیرؓ نے تو یہ کہا کہ **فو الله لئن فعلتها لارجمنک باحجارک** اگر آپ نے یہ فعل انجام دیا تو میں آپ کو سنگسار کروں گا۔فتوے کی وجہ سے سنگسار کا کوئی ذکر ہی نہیں لیکن اہل تشیع کی عادت کافی پرانی ہے، اتنی جلدی نہیں جائے گی۔پھر دوسری سند سے ابن شہاب نے خالد بن مہاجر سے ایک دوسرا واقعہ بیان کیا جس میں ایک شخص ابن عباس کے پاس آیا اور متعہ کے متعلق پوچھا، تو حضرت ابن عباس نے اس کا فتوی دیا، جس پر ابن ابی عمرہ الانصاری صحابی نے کہا **یا ابن عباس انها کانت رخصة فی اول الاسلام لم اضطر الیها کالمیتة والدم ولحم الخنزیر ثم احکم الله الدین ونهی عنها** اے ابن عباس، متعہ تو اوائل اسلام میں فقط ایک رخصت تھی، مجبور کے واسطے، جیسے مردے کا گوشت، خون اور خنزیر کے گوشت کے سلسلے میں مجبوری میں رخصت دی گئی تھی۔پھر اس سے روک دیا گیا۔پھر ایک دوسری سند سے ایک اور واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس سند میں ابن شہاب نے عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت لی اور یہ وہی روایت ہے جس میں اہل علم نے ابن عباس کے فتوے پر ناراضگی کا اظہار کیا، اور ابن عباس کے خلاف اشعار بیان کئے گے۔اس کے بعد اگلی سند میں وہ روایت نقل کی گئی ہے جس میں ابن شہاب نے ربیع بن سبرہ سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت سبرہؓ سے روایت کی ہے جس میں انہوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں متعہ کرتے تھے، پھر ہمیں روک دیا گیا۔اس کے بعد اگلی سند میں ابن شہاب زہری نے ربیع بن سبرہ سے روایت کی ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ بیٹھا تھا اور میں نے ربیع بن سبرہؒ نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو بتایا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فوت ہونے سے پہلے اس فتوے سے رجوع کرلیا تھا۔

ظاہری بات ہے کہ یہ سب علیحدہ واقعات ہیں۔یہاں پر ہم یہ جاننا چاہ رہے ہیں کہ آیا حضرت ابن عباسؓ نے رجوع کرلیا تھا یا نہیں۔اب اس سلسلے میں مجھے اس ایک روایت کو ہی نقل کرنا تھا جس میں امام زہریؒ اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے موجودگی میں حضرت ابن عباسؓ کے رجوع کے سلسلے میں حضرت ربیع بن سبرہؒ ثقہ تابعی کا بیان ہے۔

اب آپ خیر طلب کے دوسرے اعتراض کا جواب بھی ملاحظہ کیجئے۔

قولہ : تنقیح دوم: یہ قول زہری کا ہے سعید بن سبرہ کا نہیں۔ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں کہتے ہے: واخرج

البيهقي من طريق الزهري قال مامات ابن عباس حتى رجع عن هذه الفتيا وذكره ابوعوانة في صحيحه بیھقی نے زھری کے طریق سے روایت کی ہے کہ زھری کہتے ہے کہ ابن عباس نے مرنے سے پہلے متعہ کے فتوے سے رجوع کر لیا تھا۔ اس ہی بات کو ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ حوالہ : تلخيص الحبير ، جز ٣ ص ٥٤٦ ، الناشر : دار الكتب العلمية اب اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو یہ قول زھری کا ہے نہ کہ ربیع بن سبرہ کا۔ اور اسے ہم زیادہ سے زیادہ بلاغات زھری قرار دے سکتے ہیں جو خود مناظرین اہلسنت و علماء اہلسنت کے نزدیک ضعیف ہیں۔

اقول : شاید بنظرِ عمیق سے خیر طلب کی مراد آنکھیں بند کر کے دیکھنا ہے۔ کیونکہ ابوعوانہ کی کتاب میں تو ہم ابھی ملاحظہ کر چکے ہیں کہ یہ قول ربیع بن سبرہؒ کا ہی ہے، نہ کہ امام زہریؒ کا۔ اس لئے اس واضح اور آنکھوں دیکھے حال کے بعد بھی یہ کہنا کہ ابوعوانہ میں یہ قول امام زہری کا ہے، سراسر اپنے آپ کو دھوکہ دینا ہے۔ لیکن اگر ایسی کوئی روایت اہلتشیع کے موقف کی تائید کرتی، اور ابن حجر نے ایسا کہا ہوتا، تو سب سے پہلے خیر طلب ہی ابن حجر کے قول کو سراسر غلط قرار دیتا۔ مذہبی تعصب کی ایسی مثال کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اگر خیر طلب میں ہمت ہے، تو ابوعوانہ کی کتاب سے دکھا دے کہ یہ قول زہری کا ہے، اور ربیع بن سبرہ کا نہیں۔ لیکن خیر طلب کو معلوم ہے کہ صدیاں گزر جائیں گی اور ایسا ثابت نہیں ہو سکے گا۔ اس لئے حافظ ابن حجر کے قول کا سہارا لینے کی کوشش کر رہا ہے، ورنہ اگر ابوعوانہ میں ایسا ہوتا تو آخر حافظ ابن حجر کا قول پیش کرنے کی ضرورت ہی کیوں پڑتی؟ خیر طلب ادھر ہی فرما دیتے کہ یہ تو زہری کا قول ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ہو سکتا ہے کہ امام بیہقی نے زہری سے یہ روایت نقل کی ہو، اور حافظ ابن حجر نے جو کہا ہے کہ **وذكره ابو عوانة في صحيحه** یعنی ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں اس کا ذکر کیا ہے، تو یہاں ابن حجر کی مراد ابن عباسؓ کے رجوع کی بھی ہو سکتی ہے، نہ کہ زہری کا ذاتی قول۔ واللہ اعلم

قولہ : تنقیح سوم: یہ زیادتی دیگر کتب میں موجود نہیں
دیگر کتب میں بھی یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے لیکن ان کتب میں اس زیادتی کا ذکر نہیں، یعنی اس میں ابن عباس کا رجوع والا قول موجود نہیں۔
﴿اس کے ذیل میں خیر طلب نے ایک مسند عمر بن عبدالعزیز اور ایک صحیح مسلم کی روایت نقل کی ہے﴾

اقول : ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے جب تک کہ دیگر قرائن سے اس کا ضعف نہ ثابت ہو جائے۔ لہذا آپ کا یہ قول بھی مردود ٹھہرا۔ اور رجوع کا قول کوئی ایسا نہیں کہ فقط اس سند سے مروی ہو، بلکہ کئی دیگر اسانید سے بھی ابن عباسؓ کا رجوع نقل کیا گیا ہے اگر چہ وہ روایات سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں۔ نیز اس روایت کو ان روایات کا متعارض سمجھنا بھی غلط ہے جن میں ابن عباسؓ سے متعہ کی اباحت کا قول نقل کیا

گیا ہے۔

قوله : شاگردان ابن عباس بھی متعہ کے قائل تھے

ہم موجبہ کلیہ کو استعمال کرنے سے پرہیز کرینگے لیکن ہم یہ اطمینان رکھتے ہیں کہ کافی تابعین وشاگردان اہلسنت متعہ کی اباحت کے قائل تھے۔

چناچہ عبدارزاق بن ہمام ناقل ہے:

عن ابن جريج قال :اخبرني عبد الله بن عثمان بن خثيم قال:كانت بمكة امراةعراقية تنسك جميلة لها ابن يقال له: ابو عمية و كان سعيد بن جبير يكثر الدخول عليه قلت :يا ابا عبدالله ما اكثر ماتدخل على هذه المراة قال:(انا قد نكحناهاذالک النكاح للمتعة)قال:فاخبرني ان سعيد ا،قال له :هي احل من شرب الماء للمتعة

عبداللہ راوی کہتے ہے کہ مکہ میں ایک عورت خوبصورت اوراچھے حسن کی مالک تھی جس کا ایک بچہ تھا جسے ابوعمیہ کہا جاتا تھا،سعید بن جبیراس کے ہاں بہت جایا کرتے تھے،راوی نے سعید بن جبیر سے کہا کہ اے عبداللہ آپ اس عورتکے گھر اتنا کیوں آتے جاتے ہیں؟ سعید بن جبیر نے کہامیں نے اس سے نکاح متعہ کیا ہےاورسعید بن جبیر نے ہی مجھے خبر دی کہ متعہ پانی پینے سے زیادہ حلال ہے۔

حواله :مصنف ـجز ـ٧ـصفحه ـ٤٩٦ـرقم ـ١٤٠٢٠ـ

اب خودقارئین فیصلہ کریں اوپرتحریر میں ہم نے اہل حجاز اوراہل یمن کا ابن عباس سے متعہ کی حلت کا قول نقل کیا ہے۔

ابن عباس کاعمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے متعہ کوحرام قراردینے پرسرزنش کرنا

ہم نے اس قول مفید کونقل کیا جس میں ابن عباس نے متعہ کورحمت قراردیااورعمر بن خطاب کوسرزنش کی کہ اگروہ اس کو حرام نہ قراردیتے تو فقط شقی ہی زنا کرتے۔

مناسب ہے اعتراضات کونقل کرنے سے پہلے ہم اصل سند مع المتن نقل کردیں۔

مصنف عبدالرزاق:

قال عطاء،وسمعت ابن عباس يقول :يرحم الله عمر ما كانت المتعة الارخصة من الله عزوجل رحم بها امة محمد صلى الله عليه وسلم فلولا نهيه عنها ما احتاج الى الزناالا شقى

حواله :مصنف عبدالرزاق ـجزـصفحه ـ٤٩٦

شرح معانی الآثار:

حدثنا ربیع الجیزی ،قال:ثنا سعید بن کثیر بن عفیر قال:ثنا یحیی بن ایوب عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس قال:ماکانت المتعة الا رحمة رحم الله بها هذه الامة ولولانهی عمر بن الخطاب عنه مازنی الا شقی ۔قال عطاء :کانی اسمعها من ابن عباس الا شقی .

کلام صاحب نے اس پر جو اعتراض کرے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

اعتراض اول:ابن جریج مدلس ہے اور عن سے روایت کررہا ہے۔

جواب:جناب کلام صاحب کاش آپ اس اعتراض سے پہلے خود ابن جریج کے کلام کی طرف التفاء کرتے تو ایسا اعتراض نہ کرتے۔چناچہ ابن ابی خثیمہ نقل کرتے ہے:

حدثنا ابراهیم بن عرعرة قال:حدثنا یحیی بن سعید القطان عن ابن جریج قال:اذا قالت :قال عطاء فانا سمعته منه وان لم اقل سمعت

ابن جریج کہتے ہے کہ جب میں کہوں قال عطاء یعنی عطاء نے کہا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ میں نے اس سے ہی سنا ہے اگرچہ میں تصریحا یہ نہ کہوں کہ میں نہ سنا۔

حواله :تاریخ ابن ابی خیثمة ۔ السفر ۔۱۔الثالث۔جز۔صفحه ۔۲۵۰۔

لہذا یہ اعتراض مردود ہے۔اس قول کی سند صحیح ہے،جیسا کہ علامہ البانی نے اس قول کو نقل کیا ہے اور اس سے استشہاد کیا ہے۔ملاحظہ ہو۔ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل،جز۔۳۔صفحہ۔۹۷

یہی بات شعیب ارنووط نے لکھی ہے:

اسناده صحیح علی شرط الشیخین .وابن جریج تغتفر عنعنته (۲)فی عطاء .وهو ابن ابی رباح .فقط فقد قال:اذا قالت :قال عطاء فانا سمعته منه وان لم اقل :سمعت ،علی انه قد صرح بالسماع

حواله :مسند احمد بن حنبل ۔جز ۔۳۔صفحه ۔۲۱۰

اعتراض دوم:عطاء الخراسانی کی ابن عباس سے ملاقات ثابت نہیں۔

کلام صاحب پہلے تو یہ بات واضع ہونی چاہیے کہ اس روایت میں عطاء الخراسانی ہے یا عطاء بن ابی رباح۔جھٹ سے یہ کہہ دینا کہ یہ عطاء الخراسانی ہے۔عطاء ابن ابی رباح نہیں کس دلیل کے تحت ہے۔کیونکہ عطاء بن ابی رباح کا تو سماع ابن عباس سے ثابت ہے۔جس میں کوئی اشکال نہیں۔

دوسری بات یہ کلام صاحب کاش مصنف عبدالرزاق کی سند پر آنکھ دوڑالیتی ہوتی تو اس میں واضع طور پر سند میں سماعت کا ذکر ہے عطاء کا۔یعنی عطاء کی سماعت ابن عباس سے ثابت ہے۔چناچہ سند کے جملے میں یہ ہے:

قال عطاء وسمعت ابن عباس

عطاء نے کہا میں نے ابن عباس سے سنا۔

کیوں کلام صاحب علم غیب کے ذریعے عطاء نے سنا تھا؟ جی نہیں۔ چونکہ اس سند والے عطاء کی ملاقات ابن عباس سے ثابت ہے، اس لیے روایت میں سماع کی تصریح کے بعد کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

محققین اہلسنت نے عن ابن جریج عن عطاء، عن ابن عباس کی سند کی تعدیل کی ہے

ذیل میں ہم ان علماء کے اقوال نقل کرتے ہیں جنہوں نے اس سند کی روایت کو تحسین و تصحیح کی نظر سے دیکھا ہے۔

۱۔ حسین سلیم اسد

حوالہ: مسند الدارمی۔ جز۔۲۔ صفحہ۔۱۱۸۰۔ رقم۔۱۹۰۱

۲۔ شعیب ارنووط

حوالہ: مسند احمد بن حنبل۔ جز۔۴۔ صفحہ۔۱۰۳۔ رقم۔۲۲۳۳۔

۳۔ عبدالملک بن عبداللہ بن دھیش

اخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثہ۔ جز۔۱۔ صفحہ۔۱۳۰۔ رقم۔۱۳۳

۴۔ البانی

حوالہ: سنن ابی داود۔ جز۔۳۔ صفحہ۔۳۶۶۔ رقم۔۳۸۴۷۔

۵۔ حاکم نیشاپوری

حوالہ: مستدرک الصحیحین۔ جز۔۱۔ صفحہ۔۵۸۷۔ رقم۔۱۵۴۹۔

تبصرہ: ہم فی الحال ۵ اقوال علماء اہلسنت پر اکتفاء کرتے ہیں، ورنہ ہمارے پاس اور حوالے جات بھی ہیں۔ اس سے کلام صاحب کا اعتراض باطل ہو جاتا ہے جو اس سند کے حوالے سے کیا۔

اقول : ابن جریج مدلس راوی ہے، اور مدلس راوی جب سماع کی تصریح نہ کرے، تو ایسی روایت سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں پر ابن جریج نے سماع کی تصریح نہیں کی، اور کہا قال عطاء لیکن ابن جریج سے مروی ہے کہ جب وہ قال عطاء کہے، تو یہ سماع پر محمول ہے۔ اس کے باوجود یحیی بن سعید سے مروی ہے کہ **واذا قال قال هو شبه الريح** یعنی جب ابن جریج قال کہے تو یہ ریح کی مانند ہے۔ ﴿**تهذيب التهذيب ج ٦ ص ٣٥٩**﴾ اور اسی طرح امام احمد سے مروی ہے کہ **اذا قال ابن جريج قال فاحذره** یعنی جب ابن جریج قال کہے تو اس سے بچو۔ نیز فرمایا **اذا قال ابن جريج قال فلان و قال فلان واخبرت ، جاء بمناكير** یعنی جب ابن جریج کہے قال فلان اور قال فلان اور اخبرت، تو وہ منکر احادیث نقل کرتا ہے۔ ﴿**سير اعلام النبلاء ج ٦ ص ٣٢٨**﴾ بہرحال

چونکہ ابن جریج کا اپنا قول موجود ہے کہ وہ جب قال عطاء کہے تو یہ سماع پر محمول ہے، لہذا یہ ایک قابل تحقیق مسئلہ ہے۔ بہر حال ہم چونکہ حضرت ابن عباسؓ سے متعہ کے حوالے سے رجوع ثابت کر چکے ہیں، لہذا اس روایت پر بحث کرنے کی کوئی ضرورت ویسے بھی نہیں۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوگئی کہ میں کہوں کہ شیعہ عالم عبداللہ بن جعفر حمیری بارھویں امام کی امامت کا منکر تھا، اور اس کی امامت کو تسلیم نہیں کرتا تھا، جبکہ اس نے اپنے اس قول اور عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا۔ پس جب رجوع ثابت ہو گیا، تو رجوع سے پہلے کے اس کے عقائد کی بنیاد پر کس طرح دلیل قائم کی جا سکتی ہے۔ ورنہ پھر آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کا ہم مسلک اور معتبر عالم عبداللہ بن جعفر حمیری بارہویں امام کی امامت کا نظریہ غلط سمجھتا ہے۔ اور حر بن یزید کو بھی امام حسین کا دشمن تسلیم کر لیجئے، کیونکہ وہ بھی رجوع سے پہلے یزید کی فوج کا سپاہی تھا۔ نیز ابن عباسؓ کے اکثر تلامذہ سے متعہ کی اباحت کا قول ہی نقل نہیں ہوا، لہذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ابن عباسؓ کے اکثر تلامذہ متعہ کی اباحت کے قائل تھے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے استمناء کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا (خیر من الزنا ، ونکاح الامة خیر منه) یعنی استمناء زنا سے بہتر ہے، اور لونڈی کے ساتھ نکاح استمناء سے بہتر ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس استمناء کو حرام سمجھتے تھے، البتہ زنا سے چھوٹا گناہ سمجھتے تھے۔ اور لونڈی کے ساتھ نکاح کو استمناء سے بہتر سمجھتے تھے، اور اگر ان کے نزدیک متعہ جائز ہوتا، تو لونڈی کے ساتھ نکاح کی بجائے متعہ کا ذکر کرتے، کیونکہ متعہ زیادہ آسان ہے، بنسبت لونڈی کے ساتھ نکاح کے، اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں۔ پس اس روایت سے بھی حضرت ابن عباسؓ کا متعہ کے قول سے رجوع ثابت ہوتا ہے۔

قولہ : اعتراض: امام باقر الی جل مسمی کی قرات نہیں کرتے تھے اور امام جعفر الی جل مسمی کی قرات کرتے تھے پس جس امام پر زیادہ بھروسہ ہو اس کو قبول کیا جائے۔

جواب: معاف کیجئے کلام صاحب ہمارا مذہب حق چار یاری نہیں کہ جب دل چاہا کسی ستارے کی اطاعت کر لی اور باقیوں کو پس پشت ڈال دیں۔ ہم تمام آئمہ ع کی اطاعت کرتے ہیں اور کسی کی بات کی ترجیع دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ہمارے نزدیک سارے منصوص ہے اور منصوعات میں اختلافات بدیہی نہیں ہوتے۔

اب اصل جواب کی طرف آتے ہے۔ موجودہ قرآن میں آپ کو فقط "فما استمتعتم به منهن" ہی ملے گا، لیکن ابن عباس کی قرات کے مطابق " الی اجل مسمی " کا لاحقہ ملے گا جو دوسرے اصحاب جیسے ابی بن کعب و دیگر سے بھی منقول ہے تو جواب تو پہلے آپ کو دینا چاہیے تھا اور اس کا ازالہ کرتے لیکن آپ نے جواب دینا گوارہ نہیں کیا بلکہ الزامی جواب سے کام چلایا۔ ہمارا استدلال بھلا قرات کے اختلاف پر کب تھا جو آپ نے قرات کے اختلافات جو جواز بنا کر جواب دیا، ہمارا مدعا تو اس قرات سے متعہ کو ثابت کرنا تھا جس کا مداوا آپ نے نہیں کیا؟ قارئین کی ذوق طبع کے لیے ہم ابن عباس کی ایک روایت نقل کرتے ہیں جس میں اس قضیہ کی طرف لطیف اشارہ ہے:

چناچہ حاکم نیشاپوری ناقل ہے:

اخبرنا ابو زکریا العنبری ثنا محمد بن عبدالسلام ثنا اسحاق بن ابراهیم انبا النظر بن شمیل انبا شعبة ثنا ابو مسلمة ،قال:سمعت ابا نضرة ،یقول :قرات علی ابن عباس رضی الله عنهما(فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن فریضة)(النساء . ۲۴)قال ابن عباس:(فما استمتعتم به منهن الی اجل مسمی)قال ابو نضرة :فقلت:مانقروهاکذلک .فقال ابن عباس:(والله ونزلها الله کذلک)هذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاه

(التعلیق-من تلخیص الذهبی-۳۱۹۲-علی شرط مسلم)

ابن عباس سورہ نساء کی آیت ۲۴ (فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن فریضۃ) کی قرات یوں کرتے تھے (اا ستمتعتم بہ منھن الی اجل مسمی)ابونضرہ راوی کہتے ہے کہ ہم تو ایسی قرات نہیں کرتے ،ابن عباس نے کہا خدا کی قسم یہ آیت ایسے ہی نازل ہوئی۔

حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ذہبی نے تلخیص میں روایت کو صحیح کہا ہے۔

حواله :المستدرك على الصحيحين -جز-۲-صفحه-۲۳۴

ہمارا اصل استدلال قرات کے اختلاف کو ہوا دینا نہیں جو کسی اور دن کا موضوع ہے بلکہ فقط اس قرات سے نکاح متعہ پر استدلال ہے جس کا جواب کلام صاحب نے دینا گوارہ ہی نہیں کیا۔

اس روایت کی روشنی میں ہم یہ سوال پوچھنے میں حق بجانب ہے اس ہی صوت وآواز میں کہ کسی صحابی پر زیادہ بھروسہ ہے ابن عباس یا۔۔۔؟؟

باقی جو امامین صادقین ع سے روایت پر اعتراض ہے اس کا جواب ان روایات کی روشنی میں یہی ہوگا کہ ادھر آیت کی تفسیر کے طور پر بعض الفاظ کا لاحقہ ہے جو اہلسنت اصحاب سے بھی ثابت ہے۔پس اگر اس طریقہ تفسیر پر اعتراض وارد ہوگا تو صحابی پر بھی محرف قرآن ثابت ہونگے ؟ ہم فی الحال ایک دقیق نکتہ کی طرف اشارہ کرنے سے پرہیز کر رہے ہیں کیونکہ خود طوالت ایک جگہ اور دوسری جگہ تحریف قرآن کی بحث کو نہ چھیڑنا مانع بن رہا ہے مزید تبصرہ کے لیے ۔ورنہ ابن عباس کی روایت سے دقیق مطالب اخذ کئے جاسکتے ہیں جس پر کلام کسی اور دن کا رہا۔

اقــول: ہمیں بھی معلوم ہے کہ آپ کا مذہب اثنا عشری ہے، جب چاہا اپنے ائمہ کی صحیح حدیث کو تقیہ پر محمول کردیا۔جب چاہا اصحاب الاجماع کی مرسل روایات سے استدلال کیا، اور ساتھ ہی لکھ دیا کہ ہمارے بعض علماء کے نزدیک ایسی روایات مقبول ہیں، اور جب چاہا

اصحاب الاجماع کی مرسل روایات پر علماء کے ایک گروہ کا اعتراض نقل کر کے جان خلاصی کی ناکام کوشش کی۔ اگر یہ آیت ایسی ہی نازل ہوئی تھی، تو آپ کے ایک امام نے یہ آیت غلط پڑھی۔ کیونکہ آپ مختلف قرآت پر ایمان نہیں رکھتے، بلکہ صرف ایک قرات پر آپ کا ایمان ہے، لہذا یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آپ کہیں کہ امام جعفر اور امام باقر کی روایات میں جو اس آیت میں اختلاف ہے، تو یہ قرات میں اختلاف کی وجہ سے ہے۔ ہمارے نزدیک یہ قرات شاذ ہے، متواتر نہیں۔

قولہ : اس مضمون میں ایک مشہور روایت جو اہلسنت حضرات کے ہاں امام علی سے علماء منسوب کرتے ہیں، اس کا دفاع کرینگے اور اس کی صحت مخالفین کے اصول وقوانین کی روشنی مین ثابت کرینگے۔

اعتراض: امام علی کی روایت جس میں متعہ کی اجازت کی صورت میں زنا فقط شقی کرتا مین حکم بن عتیبہ اور امام علی کے درمیان انقطاع ہے۔

جواب: کلام حنفی صاحب۔ ہم اطمینان سے یہ بات کہتے ہیں کہ آپ حنفی ہیں تو احناف کے علم اصول حدیث کی تو رعایت کریں۔ اس روایت میں انقطاع ہونے کے باوجود یہ روایت آپ کے اصول حدیث کے پیش نظر قابل احتجاج وقابل استدلال ہے۔ اس کی توضیع عنقریب آرہی ہے، لیکن تفصیل دینے سے پہلے اگر کلام حنفی اس تحقیق اور احناف کے طریقے سے متفق نہ ہوں تو صراحت کے ساتھ احناف کے اس وضعی اصول کی کھل کر مخالفت کریں اور کہیں کہ اس معاملہ میں، میں حنفی نہیں۔

اقول : خیر طلب صاحب کی اصول پسندی کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ اس سے قبل ابن عباسؓ کے رجوع کی روایت کو امام زہریؒ کی مرسل قرار دے کر رد کرنے کی کوشش کی، اور یہاں پر حکم بن عتیبہ کی ''مرسل'' روایت کو لے کر اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مسئلہ مرسل اور غیر مرسل کا نہیں، بلکہ پسند اور ناپسند کا ہے۔ یہ پسند اور ناپسند کا اصول تمام اصولوں میں قبیح ترین ہے اور اس سے آپ خیر طلب کا دوہرا پن بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اس روایت کا مرسل ہونا تو آپ نے تسلیم کر لیا، اب یہ بھی سن لیجئے کہ حکم بن عتیبہ مدلس بھی تھا۔ حکم بن عتیبہ کو ابن حجر نے مدلس قرار دیا۔ ﴿**طبقات المدلسین ج ۱ ص ۳۰**﴾ اور اس کے ساتھ ہی لکھا ہے کہ اس کو امام نسائی اور دارقطنی نے بھی تدلیس کے ساتھ موصوف کیا ہے۔ اسی طرح ابن حبان نے بھی اس کے متعلق کہا ہے **و کان یدلس** ﴿**الثقات لابن حبان ج ۴ ص ۱۴۴**﴾ اب احناف کا اصول بھی ملاحظہ کیجئے۔ سرفراز خان صفدر حنفی صاحب خزائن السنن میں فرماتے ہیں ''مدلس راوی عن سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں الا یہ کہ وہ تحدیث کرے یا اس کا کوئی ثقہ متابع ہو'' ﴿**خزائن السنن ج ۱، ص ۱**﴾ اب ایک روایت جو کہ مرسل ہے، اور اس میں مدلس کا عنعنہ بھی موجود ہے، اس کو آپ ایک صحیح و متصل سند کے مقابلے میں پیش کر رہے ہیں، جو کہ تواتر کے ساتھ مروی ہے، اور جو کہ متفق علیہ بھی ہے۔

قوله : چونکہ حکم بن عتیبہ تابعی ہے اور انہوں نے امام علی ع سے روایت کو منسوب کیا ہے تو یہ روایت مرسل کے حکم میں آتی ہے۔اس حوالے سے ہم برادر محترم اسمعیل دیوبندی کی تحقیق سے استفادہ کرینگے جنہوں نے مرسل کے حکم پر کافی اچھا کلام کیا ہے۔

امام حاکم کی ایک تصنیف الاکلیل اسی فن سے متعلق ہے۔لیکن یہ کتاب کافی مختصر تھی اس لیے اس پر امام حاکم نے خطبہ لکھا ہوا ہے جو "المدخل الی معرفۃ کتاب الکلیل" کے نام سے معروف ہے۔

امام حاکم مرسل کی تعریف اور حکم کے باب میں رقمطراز ہیں:

فالقسم الاول منها المراسيل وهو قول الامام التابعى او تابع التابعى قال رسول الله :وبينه وبين رسول الله قرن او قرنان ،ولا يذكر سماعه فيه من الذى سمعه (والمعتمد ما قاله الحاكم فيه المعرفة)فهذه احديث صحيحة عند جماعة ائمة اهل ال كوفه كابراهيم بن يزيد النخعى و حما د بن ابى سليمان وابى حنيفة النعمان بن ثابت وابى يوسف يعقوب بن ابراهيم القاضى و ابى عبدالله محمد بن الحسن الشيبانى فمن بعدهم من ائمتهم محتج بها عند جماعتهم

کہتے ہیں: مرسل سے مراد تابعی یا تبع تابعی کا قول ہے جو رسول اللہ سے نقل کرے جبکہ اسکے اور رسول اللہ کے درمیان ایک یا دو واسطوں کا فاصلہ ہو لیکن راوی ان واسطوں کا ذکر نہ کرے جس سے اس نے حدیث سنی ہو(کتاب کے محقق احمد بن فارس السلوم اس تعریف کی شرح میں کہتے ہیں کہ مستند تعریف وہ ہی ہے جو امام حاکم نے اپنی کتاب ۔۔معرفۃ علوم الحدیث ۔۔میں بیان کری ہے یعنی صرف تابعی روایت کرے نہ کے تبع تابعی)مرسل کا حکم یہ ہے کہ مرسل احادیث صحیح ہیں اہل کوفہ کہ ایک جماعت کے نذدیک جن میں ابراہیم نخعی حماد بن ابی سلیمان امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف امام محمد اور انکے بعد آنے والے دیگر آئمہ شامل۔

حواله :المدخل الى معرفة كتاب الاكليل .ص.١٦٠

حافظ ابونعیم اصفہانی نے حاکم کی کتاب ۔۔معرفۃ علوم حدیث ۔۔پر کچھ قواعد کا اضافہ کیا انکی کتاب ۔۔المستخرج علی معرفۃ علوم حدیث ۔۔کے نام سے ہے،انکے بعد خطیب بغدادی کا نام آتا ہے جنہوں نے علل حدیث کے اکثر فنون پر تصانیف لکھیں انکی تصانیف میں سے ۔۔الکفایۃ فی علم الروایۃ ۔۔فن اصول حدیث میں حد درجہ استناد رکھتی ہے۔

حکم مرسل کے باب میں خطیب رقم طراز ہیں

وقد اختلف العلماء فى وجوب العمل بما هذه حاله فقال بعضهم انه مقبول ويجب العمل به اذا كان المرسل ثقه عدلا وهذاقول مالک وهل المدينه وابى حنيفه واهل المدينة وابى حنيفه

واهل العراق وغيرهم

کہتے ہیں: مرسل روایت پر عمل کی بابت علماء میں اختلاف ہے بعض علماء کہتے ہیں مرسل مقبول ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے جبکہ ارسال کرنیوالا راوی ثقہ اور عادل ہو اور یہ قول امام مالک، امام ابوحنیفہ، اہل مدینہ اور اہل عراق کا ہے۔

حواله :الكفاية فى علم الرواية ـص۔۳۳۳

حافظ ابن رجب حنبلی مرسل سے استدال کے باب میں لکھتے ہیں

وقد استدل كثير من الفقهاء بالمرسل وهو الذى ذكره اصحابنا انه الصحيح عن الامام احمد وهو قول ابى حنيفة واصحابه واصحاب مالك ايضا:

فرماتے ہے: فقہاء کی بڑی جماعت نے مرسل روایت سے استدلال کیا ہے اور یہی (مرسل سے استدلال کا) قول ہمارے اصحاب نے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے اور یہی صحیح قول ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ اور انکے اصحاب اور مالکیہ کا بھی ہے۔

حواله:شرح علل الترمذى ـصفحه ۱۱۶

نوٹ: برادر اسمعیل دیوبندی کا کلام ختم ہوا جاتا ہے

فی الحال ہم ان حوالجات پر اکتفاء کر رہے ہیں ورنہ احناف کے علماء نے خود مرسل کے حجت پر دلائل باہرہ دیے ہیں جو کلام صاحب کے اعتراض کی صورت میں ہم تفصیل سے عرض کردینگے۔ کیونکہ ہم قدم بقدم چلنا چاہ رہے ہیں۔

اقول : اگر ہم اس روایت کو مرسل بھی تسلیم کرلیں، تب بھی احناف ہی کے کئی اصولوں کے مطابق یہ روایت قابل حجت نہیں ہے۔اس میں حکم بن عتیبہ الکندیؒ اپنے سے قوی تر راوی حضرت محمد بن حنفیہؒ کی مخالفت کر رہا ہے، لہٰذا یہ روایت شاذ کے زمرے میں آئے گی۔اور شاذ کی مخالف روایت کو محفوظ کہا جاتا ہے، لہٰذا جو روایت میں نے بیان کی، وہ محفوظ ہے، اور یہ روایت شاذ ٹھرے گی۔ نیز اس میں انقطاع ہے، جب کہ میں نے جو روایت پیش کی، وہ متصل ہے۔ متصل سند کے مقابلے میں منقطع سند کو پیش کرنا اور اس کو متصل سند سے زیادہ قابل اعتماد سمجھنا عجیب منطق ہے۔اور میں نے جو روایت بیان کی، وہ مشہور ہے چنانچہ علامہ عبدالحئیؒ لکھنوی اپنی کتاب میں فرماتے ہیں ''**وقد يطلق المشهور على ما اشتهر على السنة الناس فيصدق على اخبار الآحاد التى انتشرت فى الآفاق وكتب فى الاوراق ايضا**'' ﴿**ظفر الامانى فى شرح مختصر الجرجانى ص ۱۴**﴾ اب فرمایئے آپ کی یہ روایت کیوں مشہور کہلائے گی؟ ہاں آج کل شیعہ اسے مشہور بنانے کی کوششوں میں ضرور لگے ہوئے ہیں، شاید اگلی چند دہائیوں میں اسے ''مشہور'' بنا ہی ڈالیں گے۔ اور جس مرسل پر احناف اعتبار کرتے ہیں، اس کے بارے میں بھی علامہ عبدالحئی لکھنوی نے واضح کردیا ہے کہ ''**المرسل انما هو ما**

ارسله راوی الحدیث وترک الواسطة بینه وبین النبی صلی الله علیه وآله وسلم لا مجرد قول کل من قال قال رسول الله صلی الله علیه وعلیٰ آله وسلم والالزم ان یکون قول العوام والسوقیة قال رسول الله کذا مرسلا والوجه فیه ان الارسال والانقطاع و نحو ذلک من صفات الاسناده یتصف الحدیث به بواسطته فحدیث لا اسناد فلا ارسال ولا اتصال وانما هو مجرد نقل اعتماد علی الغیر" یعنی مرسل وہ ہے جسے راوی حدیث (تابعی) بیان کرے، اپنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ چھوڑ دے، ورنہ لازم آئے گا کہ کوئی عامی اور بازاری آدمی بھی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہے تو اسے مرسل کہا جائے۔ ارسال وانقطاع وغیرہ اسناد کی صفات ہیں۔ جہاں کوئی سند ہی نہیں، وہاں نہ ارسال ہے نہ انقطاع ہے اور نہ ہی اتصال، بلکہ یہ صرف دوسرے پر اعتماد کرتے ہوئے نقل محض ہے۔ ﴿**ظفر الامانی فی شرح مختصر الجرجانی ص ۱۹۰**﴾ اوراسی کی تائید جناب سرفراز خان صفدر صاحب کی کتاب سے بھی ہوتی ہے، جنہوں نے فرمایا "مرسل وہ روایت ہے جس کو کوئی تابعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے اور صحابی کا نام نہ لے" ﴿**مقدمه خزائن السنن**﴾ خیر طلب نے امام حاکمؒ سے جو تعریف نقل کی ہے، اس میں بھی مرسل سے مراد یہی ہے۔ اور مرسل کی یہی وہ قسم ہے جس پر احناف اعتبار کرتے ہیں، لیکن کیا یہ روایت بھی مرسل کی اس تعریف کے زمرے میں آتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ روایت اصل میں منقطع ہے، اگرچہ منقطع کو مرسل بھی کہا گیا ہے، لیکن دونوں میں فرق ہے جیسا کہ مرسل کی تعریف سے آپ سمجھ سکتے ہیں۔ سنن ترمذی کی ایک روایت پر انہوں نے جرح کی، جس میں عبدالجبار تابعی اور ان کے والد حضرت وائلؓ کے درمیان انقطاع تھا۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ سرفراز خان صفدر نے فرمایا "امام نووی شرح المہذب ج ۲ ص ۱۰۴ میں لکھتے ہیں کہ **الائمه متفقون علیٰ ان عبد الجبار لم یسمع عن ابیه شیئاً وقال جماعة انما ولد بعد وفات ابیه بستة اشهر وراجع التهذیب ج ۶ ص ۱۰۵** تو یہ روایت منقطع ہے درمیان کی کڑی غائب ہے۔" ﴿**خزائن السنن ج ۱ ص ۸۱**﴾ پس حکم بن عتیبہ الکندیؒ کی روایت میں بھی درمیان کی کڑی غائب ہے اور اس وجہ سے اس کی بھی اسنادی حالت کمزور ہے۔

قولہ : اعتراض امام علی نے ابن عباس کو متعہ سے منع کیا اور ممانعت متعہ وگدھے کے گوشت سے استدلال کیا

جواب: ہم اس روایت کا جواب یوں دیتے ہیں کہ اس روایت کا اصل مضمون وہ صحیحین کی روایت ہے جس میں امام علی نے خیبر کے دن متعہ کی حرمت کا اعلان کررہے ہیں۔ تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بات اس روایت پر بھی کر لی جائے۔

تنقیح اول صحابی کو گمراہ کہنا:

کلام صاحب کے ہم بے حد ممنوع ومشکور ہیں جنہوں نے ترجمہ میں امام علی کے الفاظ نقل کیے اس میں جناب ابن عباس کو گمراہ ہونے کا سرٹیفکیٹ ملا ہے۔ چناچہ ہم گمراہ صحابی جو ستاروں کی مانند تھے ان میں ایک اور اضافہ دیکھتے ہیں

۔یقیناً جو حضرات ہم پر طعن صحابہ کا الزام لگاتے ہیں وہ بھلا اس شائستہ تھذیب وتمدن کو دیکھیں کہ ایک صحابی کو گمراہ کہا جائے تو وہ رحمۃ اللہ اور اگر شیعہ کہہ دے تو لعنت اللہ؟ یقیناً مصنفین انصاف کرینگے۔

اقول : ابن عباسؓ کے متعلق شیعہ روایات اور ائمہ معصومین کے اقوال ہم پہلے ہی پیش کر چکے ہیں، اس کو دیکھ کر ایک شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ خود ائمہ معصومین کی نظر میں ابن عباسؓ نہ صرف گمراہ، بلکہ ملعون اور خائن بھی تھے۔ بلکہ ائمہ حضرات تو ابن عباسؓ کی علمی حیثیت کا مزاق اڑاتے رہتے، اور اپنے کارندوں کو بھیجتے تا کہ ابن عباسؓ کو نیچا دکھا سکیں۔ اہل بیت کی کشتی میں سوار افراد کے متعلق جو شیعہ روایات موجود ہیں، ان پر تبصرہ کسی اور دن رہا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہماری کتب میں تو ابن عباسؓ کا رجوع ثابت ہے، پس گمراہی سے تائب ہو گئے، شیعہ کتب میں تو وہ گمراہی پر مرے اور قیامت تک گمراہ رہنے کی نوید ہے۔

قولہ : تنقیح دوم: دلیل جامع ومانع ہونی چاہیے:

خود علماء اہل سنت اس بات کے معترف ہیں کے خیبر کے دن متعہ کلیتا منسوخ نہیں ہوا تھا بلکہ انہوں نے سات مقامات کا ذکر کیا ہے جس میں متعہ حلال وحرام ہوا۔لہذا امام علی کو ان اختلافات روایات کے پیش نظر ایسی بات کرنی چاہیئے تھی جس سے مخالف خاموش ہو جاتا۔یعنی امام علی کم سے کم اگر سات موارد کا ذکر نہیں کرتے تو آخری مرتبہ جب قیامت تک کے لیے حرام ہوا، اس موقع کا ذکر کرتے جو ہمارے مقابل کے نزدیک فتح مکہ کا موقع تھا لیکن امام علی نے اہل سنت روایات کے مطابق خیبر کی دلیل دے کر بہت سارے اشکالات کو جنم دیا۔ جب ہی ہم دیکھتے ہیں کہ ابن عباس کو اتنے سمجھانے کے باوجود وہ گمراہ کے گمراہ ہی رہے اور متعہ سے رجوع نہیں کیا؟ ابن عباس کا عدم رجوع اب روایت کے بطلان کے لئے کافی ہے۔

اقول : ابن عباسؓ کا رجوع تو ہم ثابت کر چکے ہیں، اس لئے خیر طلب صاحب کوئی نیا اعتراض ڈھونڈنے کی کوشش کریں۔ چونکہ ابن عباسؓ کا رجوع ثابت ہو چکا ہے، اس لئے اب میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ابن عباسؓ نے حضرت علیؓ کی طرف سے سخت مذمت کے بعد اپنے موقف سے رجوع کیا۔ اور حضرت علیؓ نے خیبر کا ذکر کیا، لیکن ابن عباسؓ ان کا رد نہیں کر سکے۔ اس لئے یہ ایک اور دلیل ہو گئی کہ خیبر میں متعہ کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ دلیل جامع ومانع تھی۔ اس وجہ سے ابن عباسؓ جواب نہ دے سکے۔ اس کے علاوہ ابن عباسؓ چونکہ فتح مکہ کے موقع پر موجود نہیں تھے، لہذا حضرت علیؓ کو فتح مکہ کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ حضرت علیؓ نے خیبر میں متعہ کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان خود سنا، لہذا یہ وجہ ہو سکتی

ہے کہ انہوں نے جنگ خیبر کا تذکرہ کیا۔ ایک اور وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ خیبر سے پہلے متعہ کو حرام قرار دینے کے سلسلے میں کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا، لہذا حضرت علی نے اس وجہ سے خیبر کا ذکر کیا۔ اور چونکہ خیبر میں پہلی بار متعہ کو حرام قرار دیا گیا تھا، لہذا اغالب امکان یہ تھا کہ اس سے مسلمانوں کی اکثریت باخبر ہوئی ہوگی۔ اس وجہ سے حضرت علیؓ نے دیگر واقعات کی بجائے خیبر کا ذکر کیا۔ اور پھر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جامع و مانع دلیل لانا کوئی فرض نہیں ہوتا، خاص طور پر جب یہ بھی معلوم ہو کہ اگلے کے پاس اس چھوٹی سی بات کا جواب بھی نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کسی روایت کو صحیح ثابت کرنا چاہتا ہو، تو شیخ البانی کا حوالہ دے دیتے ہیں۔ اب جامع و مانع دلیل تو یہ ہونی چاہیئے کہ روایت کے تمام راویوں پر جرح و تعدیل کر کے اس کو صحیح ثابت کیا جاتا، لیکن جب موصوف یہ جانتے ہوں کہ ان کا مدمقابل شیخ البانی صاحب کی تصحیح کا رد پیش نہ کر سکے گا، تو خواہ مخواہ تمام راویوں پر جرح و تعدیل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

قولہ : تنقیح سوم: خود علماء اہل سنت خیبر کے دن کے نہی کو رد کرتے ہیں

ہمارے پاس ابھی من وعن عبارت و ترجمہ کا نہ وقت ہے اور نہ ہی تحریر کا حجم اس کی اجازت دیتا ہے۔ البتہ ایک قول نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہے جو واقعی اپنے ثقل و حجم کے لحاظ سے اتنا قوی ہے کہ مقابل کو مسکت کر دے گا۔

چناچہ سھیلی رقم طراز ہے:

وھذا شی ء لا یعرفه احد من اھل السیر

خیبر کے دن متعہ کے منع کے حوالے سے کوئی سیرت نگار نہیں جانتا۔

حوالہ :الروض الانف ۔جز ۔٦،صفحه ۔٥٥٧

لہذا اس روایت کو دلیل کے طور پر نقل کرنا مضبوط نہیں۔

اقول : اہل سیر کے جاننے یا نہ جاننے سے قطعاً کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جب کہ ہم نے صحیح اسناد سے ثابت کر دیا ہے کہ خیبر کے دن متعہ کو حرام قرار دیا گیا۔ اگر ہم اہل سیر کے جاننے یا نہ جاننے کو ہی روایات کی جانچ پڑتال کا بنیادی اصول بنالیں، تو پھر ایک الگ باب کھل جائے گا جس میں اہل تشیع خود پریشان حال ہو جائیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی روایت متفق علیہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ ابن عمرؓ اور ابو سعید خدریؓ سے بھی یوم خیبر کے دن متعہ کی تحریم نقل ہوئی ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ اور ضعیف اسناد کی میں بات نہیں کر رہا ورنہ حق تو بنتا ہے کیونکہ خیر طلب صاحب نے ابن حزم کے قول کو نقل کیا، تاکہ بعض صحابہ کو حلت متعہ کا قائل سمجھا جائے، اگرچہ ابن حزم کے قول کے علاوہ خیر طلب کے پاس اس کے ثبوت کے لئے کوئی سند نہیں، جید یا ضعیف سند کی تو بات ہی مت کیجئے۔ اگر ضعیف اسناد کی بات کی جائے تو خیبر کے دن متعہ کے حرام ہونے کا قول نقل کرنے والوں کی فہرست میں کعب بن مالکؓ اور ثعلبہؓ کو بھی شامل کر لیجئے۔

قولہ : کلام صاحب جب اپنی روایات پر ضعیف کلام کر کے فارغ ہوئے تو ہماری ایک الکافی کی روایات جو جز۔۵، صفحہ۔۴۴۸ طبع ایران میں ہے اس کو علامہ مجلسی کے توسط سے مجہول ثابت کیا اور بغلیں بجانے لگے لیکن ہم انہیں مشورہ دیتے ہیں کہ کلام صاحب مانا آپ اپنی علم مصطلح الحدیث سے واقف نہیں لیکن خدایا اس بے علمی کا مظاہرہ شیعہ روایات پر مت کیا کیجیئے کیونکہ یہ دخل در معقولات کے ضمر میں سے آتا ہے۔ کیا ایک روایت مجہول ثابت ہونے سے دیگر صحیح روایات ضعیف ہو جاتی ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اب ہم ایک روایات شیخ طوسی کی کتاب سے نقل کرتے ہیں شیخ رقم طراز ہے:

وعنه عن محمد بن اسمعيل عن الفضل بن شاذان عن صفوان بن يحيى عن ابن مسكان قال: سمعت ابا جعفر عليه السلام يقول : كان على عليه السلام يقول :لولاماسبقنى اليه بنى الخطاب مازنى الا شقى

ابن مسکان فرماتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر علیہ السلام یعنی امام باقر علیہ السلام سے سنا ہے کہ علی نے کہا اگر عمر بن خطاب نکاح متعہ کو حرام قرار نہ دیتے تو سوائے شقی کے کوئی زنا نہیں کرتا۔

حواله :تهذيب الاحكام ۔جز ۔۷،صفحه ۔۲۵۰

اس روایت کی سند میں سارے راوی ثقہ ہیں اور یہ روایت قابل احتجاج ہے۔ اس لیے کلام صاحب دوسروں کو درس دینے سے پہلے تحقیق کر لیا کریں۔

اقول : اس روایت کے سارے راوی ثقہ ہیں، لیکن خیر طلب کی معلومات میں اضافہ کرتے چلیں کہ تہذیب الاحکام کی یہ روایت پوری کی پوری وہی ہے جو کہ الکافی کی روایت ہے، اور شیخ طوسی نے اسے نقل بھی کلینی سے کیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جو مجہول راوی تھا، اس کو شیخ طوسی نے درمیان سے اڑا دیا ہے۔ چنانچہ اس کی سند ملاحظہ فرمائیے:

عنه ﴿محمد بن يعقوب الكليني﴾ عن محمد بن اسماعيل عن الفضل بن شاذان عن صفوان بن يحيى عن ابن مسكان قال : سمعت ابا جعفر عليه السلام يقول : كان على عليه السلام يقول : لو لا ما سبقني اليه بني الخطاب ما زنى الا شقى

چنانچہ مجلسی نے شیخ طوسی صاحب کے اس کارنامے کے اعتراف میں اس روایت کو **مجهول كالصحيح** قرار دے دیا۔ **﴿ملاذ الاخيار فى فهم تهذيب الاخبار ج ۱۲ ص ۲۹﴾**

طوسی صاحب نے **تھذیب الاحکام** میں ایک راوی کو سند سے نکال باہر کیا، اور **الاستبصار** میں دو راویوں کو سند سے نکال باہر کیا۔
چنانچہ استبصار میں آپ کو یہ سندیوں ملے گی۔

عنه (محمد بن يعقوب الكليني) عن محمد بن اسماعيل عن الفضل بن شاذان عن ابن مسكان قال سمعت ابا جعفر عليه السلام يقول كان علي عليه السلام يقول : لو لا ما سبقني اليه ابن الخطاب ما زنى الا شقى ﴿الاستبصار ج ٣ ص ١٤١﴾

اب خیر طلب صاحب جان گئے ہونگے کہ تہذیب الاحکام میں اس کے تمام راوی کیوں ثقہ نظر آتے ہیں۔ اور اہلسنت کی کتب میں تو اس روایت کو مشہور ثابت کرنا ایران کے کمال حیدری کے بس کا بھی کام نہیں، ان چھوٹے حیدری صاحب کی تو بات ہی مت کیجئے۔ خلاصۃ الایجاز میں شیخ مفید نے امام باقر کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے کہ **إن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم تزوج بالحرة متعة** یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آزاد عورت سے متعہ کیا۔ اور اس کے بعد اگلی روایت میں فرمایا کہ شیخ صدوق نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ **أن عليا عليه السلام نكح بالكوفة امرأة من بني نهشل متعة** یعنی حضرت علی نے کوفہ میں بنی نہشل کی ایک عورت کے ساتھ متعہ کیا۔ ﴿**خلاصة الايجاز ص ٢٥**﴾ یہ تو کذبِ صریح ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں۔ اس کے بعد شیخ مفید کہتے ہیں: **وبأسانيد كثيرة إلى عبد الرحمان بن أبي ليلى قال سألت عليا عليه السلام هل نسخ آية المتعة شئ ؟ فقال : لا ، ولو لا ما نهى عنها عمر ما زنى إلا شقي. ذكر أسانيدها الشيخ في التهذيب**

اور بہت سی سندوں سے عبدالرحمان بن ابی لیلی سے مروی ہے کہ اس نے کہا: میں نے حضرت علی سے پوچھا کہ کیا متعہ کی آیت کو کسی چیز نے منسوخ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا، نہیں! اور اگر عمر نے منع نہ کیا ہوتا تو شقی کے علاوہ اور کوئی زنا نہ کرتا۔ اس کی اسناد کو شیخ نے تہذیب میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ شیخ کا حال تو آپ نے دیکھ لیا، شیخ کے پاس تو ایک کلینی کی سند ہے، اس میں بھی شیخ نے تہذیب میں ایک راوی نکال دیا، اور استبصار میں ایک اور راوی کو بھی نکال دیا۔ شیخ صاحب اور اسناد کیا ذکر کرتے، جو ایک واحد سند ہے، وہ بھی شیخ کے ہاتھوں میں پہنچ کر اپنی اصلی حالت کھو بیٹھی۔ اس کے علاوہ جن بہت سی اسناد کا شیخ مفید نے تذکرہ کیا ہے، وہ ہمیں شیخ کی تہذیب الاحکام میں نہیں ملیں۔ اور اگر مل بھی جاتیں، تب بھی بات عبدالرحمان بن ابی لیلی پر جا کر رک جاتی، کیونکہ عبدالرحمان بن ابی لیلی کی توثیق کسی شیعہ عالم نے نہیں کی۔ خیر طلب کو اگر یہ بہت سی اسناد کہیں مل جائیں تو ہم امید رکھتے ہیں کہ اگلے جواب میں ضرور شامل کر کے قارئین کے ذہنوں سے کم از کم ایک یہی اشکال ہی دور کر دیں گے۔ سوال یہ ہے کہ جب یہ روایت اہلسنت کی کتب میں بھی مشہور نہیں، اثنا عشریہ کی کتب میں بھی مشہور نہیں، زیدیہ کی کتب میں بھی مشہور نہیں، بلکہ زیدیہ بھی اہل سنت کی طرح متعہ کا حرام ہونا اور اس پر اپنے ائمہ اہل بیت کا اجماع نقل کرتے ہیں، تو آخر یہ روایت کن کی کتب میں مشہور ہے تاکہ اس پر اعتبار کیا جا سکے؟ اور کس دلیل کی بنا پر خیر طلب نے اس کو مشہور قرار دیا ہے؟

قوله : کلام صاحب مضمون کے ایک حصہ میں رقم طراز ہے:
بلکہ حضرت علی سے تواتر کے ساتھ ثابت شدہ روایات کے بھی خلاف ہے۔
تبصرہ: ناظرین اب ہم اس دعوی تواتر کے قلعی کھولتے ہیں اور مخالفین کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ تواتر کے ادعی بھی تحقیق سے کام لیں۔ یہ کوئی نیا دعوی نہیں کیا گیا بلکہ پر اس سے پہلے اہلسنت مناظرین یہ دعوی کر چکے ہیں۔ چناچہ محمد علی جانباز شیعوں کے خلاف کتاب لکھتے ہوئے رقم طراز ہے:
حضرت علی سے بھی تحریم متعہ کی روایات اس قدر شہرت اور تواتر تک پہنچی ہوئی ہے۔
حوالہ :حرمت متعہ ۔صفحہ ۔۲۹۔
ہم نے محمد علی جانباز صاحب کے دعوی پر جب برادر اسمعیل دیوبندی کی طرف رجوع کیا تو ان کے درج ذیل جواب کو نقل کیا جارہا ہے۔
ہماری نظر سے کسی بھی معتبر اور مستند محدث یا عالم کا ایسا کوئی دعوی یا قول نہیں گذرا جس میں انہوں نے غزوہ خیبر کے موقع پر حرمت متعہ والی روایت کو متواتر کہا ہو۔ البتہ آپ کے توسط سے معلوم ہوا کہ مولوی محمد علی جانباز نے غزوہ خیبر کے موقع پر حرمت متعہ والی روایت کے تواتر کا دعوی کیا ہے۔
علم حدیث کے ابتدائی طالب علم بھی بخوبی جانتا ہے کہ متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس کے راویوں کی تعداد صحابی سے لے کر محدث تک تمام طبقات میں اتنی کثیر ہو کہ ان تمام طبقات کے رواۃ کا جھوٹ پر جمع ہونا عقلا محال ہو۔
لیکن محمد علی جانباز کے نزدیک متواتر ،،غریب حدیث،، کو کہتے ہیں، یعنی صحابی تا محدث کسی بھی ایک طبقے میں اس حدیث کو روایت کرنے والا تن تنہا صرف ایک راوی ہو۔

اقول : متواتر کی کئی اقسام ہوتی ہیں، اور بعض روایات ایسی ہوتی ہیں جو کہ اصل میں تو احاد ہوتی ہیں، لیکن اس کے بعد وہ اس حد تک پھیل جاتی ہیں، اور اتنے لوگ اسے نقل کر لیتے ہیں، اور اس کی تصدیق کر لیتے ہیں کہ عقل ان کے جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال سمجھے۔ بعض علماء نے اسے بھی متواتر کی ایک قسم قرار دیا ہے۔
چنانچہ اصول البزدوی میں لکھا ہے:
المشهور ما كان من الآحاد في الأصل ثم انتشر فصار ينقله قوم يا يتوهم تواطؤهم على الكذب ، وهم القرن الثاني بعد الصحابة رضي الله عنهم ، ومن بعدهم وأولئك قوم ثقات أئمة لا يتهمون فصار بشادتهم وتصديقهم بمنز لة المتواتر حجة من حجج الله تعالىٰ حتى قال الجصاص إنه أحد قسمي المتواتر
مشہور وہ ہے جو اصل میں تو خبر واحد تھی، پھر وہ پھیل گئی، حتیٰ کہ اس کو اتنے لوگوں نے نقل کیا کہ عقل ان کے جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال سمجھے،

وہ صحابہ کے بعد قرنِ ثانی اور اس کے بعد کا زمانہ ہے۔ اور یہ لوگ ائمہ ثقات میں شمار کئے جاتے ہوں، تو ان کی شہادت اور تصدیق سے یہ تواتر کی منزلت تک پہنچ جائے گی۔ جو کہ اللہ تعالی کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے۔ یہاں تک کہ جصاص نے کہا کہ یہ متواتر کی ایک قسم ہے۔﴿أصول البزدوي ج ١ ص ١٥٢﴾

پس حضرت علیؓ سے یہ روایت ان کے محمد بن حنفیہ نے لی، جن سے حضرت علیؓ کے دونواسوں نے نقل کی، اور ان سے امام زہری نے نقل کی۔ امام زہری سے یہ روایت دس سے زیادہ تلامذہ نے لی۔ ان میں عبید اللہ بن عمر، سفیان بن عیینہ، امام مالک، یونس بن یزید، معمر ابن سلیمان، محمد بن اسحاق، عبدلعزیز بن سلمہ اور اسامہ بن زید کی روایات کو تو میں نے خود پڑھا ہے، اس کے علاوہ ابن شاہین نے زہری کے شاگردوں کی فہرست اپنی کتاب ناسخ الحدیث ومنسوختہ میں درج کی ہے جنہوں نے یہ روایت نقل کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ورواه معمر، ويحيى بن سعيد، وأسامةبن زيد، ويونس بن يزيد، وعثمان الوقاصي ، وإسماعيل بن أمية ، وعبدالعزيز بن أبي سلمة ، وشعيب بن خالد، وهي في كتاب المناهي بطولها ﴿ناسخ الحديث و منسوخة لابن شاهين ج ٢ ص ٨٤﴾

چنانچہ اس مختصر سی تحقیق سے ثابت ہوا کہ امام زہری سے یہ روایت دس سے زیادہ تلامذہ نے نقل کی ہے۔ پس حضرت علیؓ سے یہ روایت شروع میں جب ان کے بیٹے اور نواسوں نے نقل کی، تو اس کا شمار احاد میں ہوتا تھا۔ لیکن ان کے نواسوں سے جب یہ روایت امام زہری کے واسطے سے پھیلی، ائمہ ثقات نے اسے نقل کیا اور اس کی تصدیق کی تو اسکا متواتر ہونا ثابت ہو گیا۔

قولہ : حرمت متعہ در غزوہ خیبر: روایت کی تخریج

عن علی ابن ابی طالب رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم :نهی عن متعة النساء یوم خیبر

امام علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع پر متعہ سے روک دیا۔ اسی طرح بعض روایت میں ہے کہ امام علی کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس متعہ کی حلت کا فتوی دے رہے ہیں تو امام نے ابن عباس کو رسول اللہ کی اس نہی سے آگاہ اور خبردار کیا۔

امام مالک، حافظ عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی، حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہ، امام احمد، سعید بن منصور، امام بخاری، امام مسلم، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام دارمی، امام ابو داود الطیاسی، امام حمیدی بزار، حافظ ابن حبان اور امام بیہقی نے مختلف اور متعدد اسانید سے روایت اور نقل کیا ہے۔

حرمت متعہ در خیبر والی روایت غریب ہے

اس روایت کی اسناد کے تین طبقات میں غرابت ہے، مذکورہ بالا محدثین نے جن مختلف ومتعدد اسانید سے اس روایت کو نقل کیا ہے آگے جا کر یہ تمام اسانید امام زہری کے طریق پر ایک ہو جاتی ہیں کیونکہ امام زہری کے علاوہ کسی نے بھی اس کو روایت نہیں کیا۔ طبقہ ثانیہ تابعین میں سے محمد بن حنفیہ اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں کیونکہ اس روایت کو امام علی سے نقل کرنے والے تنہا محمد بن حنفیہ ہیں۔ اسی طرح طبقہ اولی میں امام علی کے علاوہ کسی صحابی نے جنگ خیبر کے موقع پر حرمت متعہ کو رسول اللہ سے بیان نہیں کیا۔ کوئی بھی روایت کسی بھی ایک طبقہ میں غرابت (تفرد) کی بناء پر غریب ہوتی ہے جبکہ زیر بحث روایت کے تو تین طبقات میں غرابت پائی جاتی ہے لہذا حرمت متعہ در جنگ خیبر والی روایت غریب قرار پائی۔ یہی وجہ ہے کہ امام دارقطنی نے بھی اس روایت کو غرائب میں شمار کیا ہے۔

غریب روایت کو امام دارقطنی نے اپنی کتاب ۔۔الغرائب والافراد۔۔ میں جمع کیا ہے جبکہ حافظ ابن القیسر انی نے دارالقطنی کی جمع کردہ غریب روایات کی اطراف کو اپنی کتاب ۔۔اطراف الغرائب والافراد۔۔ میں جمع کر دیا ہے ۔جو کہ انتہائی مفید ہے۔ امام دارقطنی نے اپنی کتاب ۔۔الغرائب والافراد مین اس روایت کو امام زین العابدین سے نقل کیا ہے۔ امام علی کو جب معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس متعہ کی حلت کا فتوع دے رہے ہیں تو امام نے ابن عباس کو رسول اللہ کی اس نہی سے آگاہ اور خبردار کیا۔ اس روایت کو امام زین العابدین سے ذکر کرنے کے بعد امام دارقطنی کہتے ہیں کہ علی بن حسین نے اس روایت کو محمد بن حنفیہ سے نقل کیا جو کہ ان کا وہم ہے کیونکہ اس روایت کو امام زہری نے محمد بن حنفیہ کے بیٹوں عبیداللہ اور حسن سے روایت کیا ہے اور ان دونوں بیٹوں نے اپنے والد محمد سے اور پھر محمد حنفیہ نے امام علی سے اس کو روایت کیا ہے۔

چناچہ حافظ ابن القیسر انی، امام دارقطنی سے سے نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

حدیث: انه بلغه ان ابن عباس یفتی بنکاح المتعة .الحدیث غریب من حدیث ابی سعد سعید بن المرزبان البقال عن الزهری عنه. تفرد به المسیب بن شریک عنه وقوله محمد بن علی عن ابیه عن علی وهم وانما رواه الزهری عن عبید الله والحسن ابنی محمد بن علی عن ابیهما عن علی.

حواله :اطراف الغرائب والافراد المجلد.١ .الصفحة .٢٣٨

مولوی محمد علی جانباز کی علمی یتیمی پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے، لگتا ہے حضرت جانباز کو حدیث متواتر کی تعریف بھی معلوم نہیں اگر معلوم ہے تو جناب تجاہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں، موصوف نے غریب روایت کے تواتر کا بچگانہ دعوی کر کے اپنی حد درجہ جہالت کا ثبوت دیا ہے جس کی ظرف التفات کرنا بھی عبث ہے۔

اختتامیہ: ہم اس مضمون کے اختتام پر یہی کہنا چاہینگے کہ شیعوں کا تعصب وعناد بہر حال ایک مرض ہے لیکن اس مرض کا

اگر اتنا اثر ہونے لگ جائے کے جھوٹ اور تہی دست باتوں کا شعار بنایا جائے تو یقیناً تعارف الاشیاء باضدادھا کے کے تحت مذہب حقہ شیعہ خیر البریہ کی حقانیت واشگاف ہوتی ہے۔

اقــول: خیر طلب نے لکھا ہے کہ ''اسی طرح طبقہ اولی میں امام علی کے علاوہ کسی صحابی نے جنگ خیبر کے موقع پر حرمت متعہ کو رسول اللہ سے بیان نہیں کیا''

یہ سراسر غلط ہے۔ سنن کبریٰ میں امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے خیبر کے دن متعہ کی تحریم نقل کی ہے۔

ان رجلا سأل عبدالله بن عمر رضى الله عنهما عن المتعة فقال حرام قال فان فلانا يقول فيها فقال والله لقد علم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حرمها يوم خيبر وما كنا مسافحين

ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ حرام ہے۔ اس شخص نے کہا کہ فلاں اس کی اجازت دیتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ نے اس کو خیبر کے دن حرام قرار دیا تھا، اور ہم شہوت پرست نہیں تھے۔

﴿السنن الكبرىٰ ج ٧ ص ٢٠٢﴾

اس روایت کی سند کو حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص میں اور شیخ البانیؒ نے ارواء الغلیل میں قوی قرار دیا ہے۔

ابوعوانہ نے دو سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے خیبر کے دن متعہ کی ممانعت کا قول نقل کیا ہے۔ **﴿مستخرج ابو عوانه ج ٥ ص ٣٩، ٤٠﴾**

اس کے علاوہ یہ روایت موطا عبداللہ ابن وہب میں بھی موجود ہے، اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

اخبرنى عمر بن محمد بن زيد بن عبد الله بن عبد الله بن عمر بن الخطاب عن ابن شهاب قال اخبرنى سالم بن عبد الله ان رجلا سأل عبد الله بن عمر عن المتعة فقال : حرام. قال : فإن فلانا يقول فيها ، فقال والله لقد علم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم حرمها يوم خيبر ، وما كنا مسافحين. ﴿موطا عبد الله ابن وهب ج ١ ص ٨٥﴾

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی متعہ کی تحریم خیبر کے دن نقل کی گئی ہے۔

عبد الرزاق عن بن عيينة عن إسماعيل عن قيس عن عبدالله بن مسعود قال كنا نغزو مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فتطول عزبتنا ألا نختصي يا رسول الله فنهانا ثم رخص أن نتزوج إلى اجل بالشيء ثم نهانا عنها يوم خيبر وعن لحوم الحمر الإنسية ﴿مصنف عبد الرزاق ج ٧ ص ٥٠٦﴾

اس سند کے تمام راوی بھی ثقہ ہے۔

اسی طرح امام طبرانیؒ نے معجم کبیر میں کعب بن مالکؓ اور ثعلبہ بن حکمؓ سے ضعیف اسناد کے ساتھ خیبر کے دن متعہ کی تحریم نقل کی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام زہری کے علاوہ اس روایت کو امام زید بن علی نے بھی روایت کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے، کتاب بھی شیعہ ہے اور تمام راوی بھی شیعہ امامی اثنا عشری علماء کے مطابق ثقہ ہیں۔

محمد بن یحیی عن ابی جعفر عن ابی الجوزا عن الحسین بن علوان عن عمرو بن خالد عن زید بن علی عن آبائه عن علی علیهم السلام قال حرم رسول الله صلی الله علیه وآله یوم خیبر لحوم الحمر الاهلیة ونکاح المتعة

امام زید بن علی نے اپنے آباء واجداد سے اور انہوں نے حضرت علی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن پالتو گدھے کا گوشت اور نکاح متعہ کے حرام قرار دیا۔

محمد بن یحیی ثقہ ہے۔ ﴿جامع الرواۃ ج ۲ ص ۲۱۲﴾

ابو جعفر ثقہ ہے۔ ﴿المفید من معجم رجال الحدیث ص ۲۹۰﴾

ابوالجوزاء ثقہ ہے۔ ﴿مشایخ الثقات ص ۸۶﴾

حسین بن علوان ثقہ ہے۔ ﴿معجم رجال الحدیث ج ۷ ص ۳۴﴾

عمرو بن خالد ثقہ ہے۔ ﴿معجم رجال الحدیث ج ۱۴، ص ۱۰۲﴾

قولہ: عبداللہ بن مسعود کی روایت اتنی واشگاف واظہر ہے کہ متعہ کو صحابی رسول طیبات میں سے شمار کرتا اور رسول ص کے زمانے سے دلیل پکڑتا لیکن کلام صاحب نے اس پر بھی اعتراضات کیئے تو جوابات ذیل ہیں:

اعتراض: عبداللہ بن مسعود کی روایت جس میں روزہ سے جنسی خواہش کو فرد کرنے کی بات ہے اس سے متعہ باطل ثابت ہوتا ہے۔

جواب: کلام صاحب کہاں روایت کے الفاظ اور کہاں آپکی مدلول۔ جب کہ خود علماء اہلسنت اس بات کو متشرح و مصرح کر چکے ہیں کے ابن مسعود نکاح متعہ کی حلت کے قائل تھے۔ ہم تو اصل علت پر بات کر رہے تھے کہ رسول صہ نے ایک حلال طریقہ بتایا تھا اپنی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے۔ اب اسکو اگر چہ اب جہاد تک مقید کر دیں یا کسی اور موقع پر اصل استدلال پر فرق نہیں آتا اور وہ یہی ہے کے جنسی خواہشات کی تسکین کے لئے اس سے استفادہ کیا جائے اور بقول سعید بن جبیر یہ پانی سے زیادہ حلال ہے تو صغری کبری ملے لیجئے اور نتیجہ آرام سے نکال لیجئے۔

خود ابن حزم، ابن حجر اور شوکانی نے بالترتیب المحلی، جلد ۹۔ صفحہ

۔۵۱۹،مسئلہ۱۸۰٤،تحت احکام النساء،تلخیص الجبیر،جز۔۳۔صفحہ۔۳۲۷۔مسئلہ رقم ۱۶۰۳،کتاب النکاح،طبع قاھرہ،نیل الاوطار۔جلد۔۷۔صفحہ۔۵۹۸کتاب النکاح ۔میں ابن مسعود سے متعہ کی حلت کا قول ہوا ہے۔اور نکاح متعہ کے معتقدین میں شمار کیا ہے۔کہاں آپ کا استدلال اور کہاں جہابذان اہلسنت کا استدلال؟

اعتراض:ابن حجر عسقلانی،شوکانی اور ابن حزم سے جو متعہ کی اباحت کا قول مختلف صحابہ سے منسوب کیا گیا ہے،ان میں سے اکثر کی طرف متعہ کی نسبت کا قول غلط ہے۔اور دیگر کی طرف جو متعہ کی اباحت کا قول منسوب ہے تو اس کا ثابت ہونا دلیل کا محتاج ہے۔

جواب۔میرے محترم مقابل۔اگر آپ عربی عبارت بنظر عمیق دیکھے تو معاملہ صاف ہے کہ انہوں نے ثبت کا لفظ استعمال کیا ہے کہ یہ قول ان سب سے ثابت ہے نہ کر شک استعمال کیا ہے۔کیوں کہ ثبت یقین کے لئے آتا ہے ،چناچہ لغت کی مشہور ومعروف کتاب مصباح اللغت کی طرف جب ہم رجوع کرتے ہے جو عربی الفاظ کا اردو میں ترجمہ میں سند کی حیثیت رکھتی ہے تو دیکھتے ہیں کہ ثبت کا معنی درج ذیل ہے:

۱۔ثابت کرنا

۲۔دلائل سے موکد کرنا

حوالہ:مصباح اللغت،صفحہ۔۹۰

چناچہ ہم اصلی عربی عبارات ان تینوں علماء کی نقل واپس سے کر دیتے ہیں:

اب حزم:

وقد ثبت علی تحلیلھابعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعة من السلف،منھم من الصحابة اسماء بنت ابی بکر،وجابر بن عبداللہ،وابن مسعود،و ابن عباس،و معاویہ،و عمرو بن حریث،و ابو سعید،وسلمة،و معبد بن امیة بن خلف

حوالہ :محلی،جلد۔۹۔صفحہ۔۵۱۹،مسئلہ۱۸۰٤،تحت احکام النساء

ابن حجر عسقلانی:

وقد ثبت علی تحلیلھابعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعة من السلف،منھم من الصحابة اسماء بنت ابی بکر،وجابر بن عبداللہ،وابن مسعود،و ابن عباس،و معاویہ،و عمرو بن حریث،و ابو سعید،وسلمة،و معبد بن امیة بن خلف

حوالہ :،تلخیص الجبیر ،جز ۔۳۔صفحہ ۔۳٤٦

شوکانی:

وقد ثبت علی تحلیلھابعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعۃ من السلف ،منھم من الصحابۃ اسماء بنت ابی بکر ،وجابر بن عبداللہ ،وابن مسعود ،و ابن عباس ،و معاویہ ،و عمرو بن حریث،و ابو سعید ،وسلمۃ ،و معبد بن امیۃ بن خلف

حوالہ :نیل الا وطار ۔جلد ۔٦۔صفحہ ۔۱٦۱

اب ان تینوں علماء کی عبارت میں ثبت مشترکہ لفظ ہے۔جس سے ثبوت کا پایا جانا اظہر ہوتا ہے،کلام صاحب جب آپ کے نزدیک بعض سے نسبت غلط ہے اور بعض سے مشکوک ہے تو آپ اپنے رشحات قلم کی جاذبیت سے اس قضیہ کی نفی کر سکتے تھے جو آپ نے زحمت کرنا بھی درست نہیں سمجھا۔اس سے بالترتیب ابن مسعود کا حلت نکاح متعہ کا عقیدہ واشگاف ہوتا ہے اور جملہ اعتراضات و روایات کا رد ہوتا ہے۔

آخر میں شارح صحیح مسلم نووی کا قول پیش کرنا فائدے سے خالی نہیں ہوگا، چناچہ نووی رقم طراز ہے:

﴿وفی قراء ت بن مسعود فما استمتعتم بہ منھن الی اجل و قراۃ بن مسعود ھذہ شاذۃ لایحتج بھا قراناولا خبرا ولایلزم العمل بھا﴾

ابن مسعود کی سورہ نساء کی آیت ۲٤ کی قرات یہ تھی۔۔فما استمتعتم بہ منھن الی اجل۔۔یعنی جب تم ان سے ایک مدت تک فائدہ اٹھالو۔ابن مسعود کی قرات شاذ ہے یعنی جمہور کے خلاف ہے جس نے قرآنی آیت کا استدلال ہوتا ہے نہ ہی کسی روایت کا اور نہ اس پر عمل کرنے کا موجب ہے۔

حوالہ :المنھاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج ۔جز ۔۹۔ صفحہ ۔۱۷۹۔

تبصرہ: ہم نووی کے شاذ کہنے پر تعجب کرتے ہیں لیکن اس فیصلے سے قطع نظر ابن مسعود کا عقیدہ بلمتعہ کا اثبات تو ہو ہی جاتا ہے جو ہمارا مقصود ہے۔باقی کی ابحاث ثانوی ہے۔

اقول : خیر طلب صاحب نے ایک مصباح اللغات کیا ڈاون لوڈ کر لی ہے، انہیں لگتا ہے کہ دنیا میں بس یہی ایک قاموس ہے، اور اس کے باہر عربی کا کوئی وجود نہیں۔آپ قاموس الوحید بھی ڈاون لوڈ کر لیں۔قاموس الوحید میں ثَبَتَ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔جمنا، ٹھرنا، ثابت قدم رہنا، مضبوط و مستحکم ہونا، قائم رہنا، ثابت وظاہر ہونا، محقق ہونا، پایہ ثبوت کو پہنچنا۔چنانچہ بہت سی روایات میں آپ کو ثبت کا ترجمہ ''قائم رہنا'' کرنا پڑے گا۔جیسا آپ کی معتبر کتاب ''کمال الدین'' میں حضرت زین العابدین سے مروی ہے کہ **(من ثبت علی ولایتنا فی غیبۃ قائمنا اعطاہ اللہ عز و جل اجر الف شھید من شھداء بدر واحد)** یعنی جو ہمارے قائم کی غیبت میں

ہماری ولایت پر قائم رہے گا، تو اس کو اللہ تعالی ایک ہزار شہداء بدر واحد کے برابر اجر عطا کرے گا۔ ﴿کمال الدین ص ۳۲۳﴾

اسی طرح کنز العمال میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا (کان فیمن ثبت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم حنین ایمن ابن ام ایمن وهو ایمن بن عبید) غزوہ حنین کے دن جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے، ان میں سے ام ایمن کا بیٹا ایمن یعنی ایمن بن عبید بھی شامل تھا۔ ﴿کنز العمال ج ۱۰ ص ۵۳۱﴾

بہرحال خیر طلب نے حافظ ابن حجر اور علامہ شوکانی کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی، حالانکہ ان دونوں نے فقط ابن حزم کا قول نقل کیا۔ ابن حجر نے ابن حزم کا رد کیا، اور علامہ شوکانی نے ابن حجر کے اس رد کا ذکر کر کے اس کی طرف رجوع کرنے کو کہا۔ اس لئے جان لیجئے کہ یہ صرف ابن حزم کا قول ہے، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اسے غلط ثابت کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں (وفی جمیع ما اطلقه نظر) ﴿فتح الباری ج ۹ ص ۱۷۴﴾

اسی طرح علامہ شوکانی نے لکھا ہے (وقد ذکر الحافظ فی فتح الباری بعدما حکی عن ابن حزم کلامه السالف المتضمن لروایة جواز المتعة عن جماعة من الصحابة ومن بعدهم مناقشات فقال وفی جمیع ما اطلقه نظر اما ابن مسعود الی آخر کلامه فلیراجع) ﴿نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۹۴﴾

علامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں (ونسب ابن حزم الی جابر وابن مسعود وابن عباس ومعاویة وابی سعید الخدری وغیرهم الحکم بتحلیلها وتعقب بانه لم یصح عنهم ذلک) ﴿التعلیق المجدد لموطا الامام محمد ج ۲ ص ۵۲۴﴾

قوله : ہم نے سابقہ تحریر میں واشگاف موقف پیش کیا علماء اہلسنت کا جو اس بات پر مصر تھے کے بغیر گواہ کے نکاح ہو جاتا ہے، یہی ہمارا مقصود تھا اب ہونا یہ چاہیے تھا کہ کلام صاحب اس معقول کا جواب دیتے ان تمام افراد سے نفی کا ثبوت دیتے یا اگر نہ دے سکتے تھے تو کم سے کم اس بات کو تو مان ہی لیتے کیونکہ طالب علم کی خاصیت یہ ہے کہ وہ مکابرہ ومجادلہ سے پرہیز کے دلیل کا تابع ہوتا ہے لیکن کلام صاحب نے جواب میں یوں گلو خاصی کرنے کی کوشش کی:

اعتراض: اہلسنت کے مطابق اگر گواہ اور اعلان میں سے کوئی ایک بھی موجود نہ ہو تو نکاح باطل ہے۔

جواب: کلام صاحب اس سادہ لوحی پر کون نہ مر جائے۔ یعنی اب جن حضرات سے ہم نے ثابت کیا ہے کہ وہ گواہ کو ضروری نہیں سمجھتے وہاں کسی کے لیے بھی نہیں لکھا کہ وہ اس بات کے معتقد تھے کہ اس کا اعلان کیا جائے، صرف امام مالک بن انس کے لئے ابن قدامہ یہ لاحقہ لگاتے ہیں:

﴿ومالک، اذا اعلنوه﴾

مالک کا نظریہ یہ ہے کہ وہ گواہوں کی ضرورت نہیں اس صورت میں جب اعلان کیا جائے۔

اس سے پہلے کی عبارت میں اذا اعلنوہ کی قید صحابہ، تابعین کا ذکر نہیں آیا۔ ان صحابہ و تابعین سے نفی کا ثبوت تو آپ کے ذم میں تھا جو آپ نے ہمارے متھے ڈال دیا، ہم نے سیاق وسباق کر دیا کے امام مالک بن انس کے علاوہ سب ہی بغیر گواہوں کے نکاح کی اباحت کے قائل ہے اور اعلان کو ضروری نہیں سمجھتے۔

اقول: خیر طلب نے امام زہری کا ذکر کیا۔ امام عبدالرزاقؒ نے المصنف میں معمر سے روایت کی ہے کہ امام زہری نے فرمایا **(فانا نراه نكاحا جائزا اذا اعلنوه ولم يسروه)** یعنی ہم نکاح کو جائز سمجھتے ہیں جبکہ اس کا اعلان کر دیں، اور اس کو خفیہ نہ رکھیں۔ **﴿المصنف ، كتاب النكاح﴾** پھر خیر طلب نے ظاہریہ کی طرف اس قول کی نسبت کی، جبکہ ابن حزم ظاہری کہتا ہے **(لا يتم النكاح الا باشهاد عدلين فصاعدا او باعلان عام)** یعنی نکاح منعقد نہیں ہوتا بغیر دو عادل افراد کی گواہی کے، یا اعلان عام کے۔ **﴿المحلى بالآثار ، كتاب النكاح﴾** حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں **(اذا تزوجها بلا ولی ولا شهود وكتم النكاح فهذا نكاح باطل باتفاق الائمة)** یعنی اگر کوئی مرد کسی عورت سے بغیر ولی، گواہوں کے اور خفیہ نکاح کرے، تو ائمہ ایسے نکاح کے باطل ہونے پر متفق ہیں۔ **﴿مجموع الفتاوى ج ٨ ص ٢٦٧﴾** اسی طرح شیخ حمد بن عبداللہ فرماتے ہیں **(وقال المالكية وهو مذهب ابن المنذر واختاره شيخ الاسلام ابن تيمية وهو رواية عن الامام احمد ان الاشهاد لا يشترط وانما يشترط اعلان النكاح)** یعنی مالکیہ کہتے ہیں، اور ابن منذر کا مذہب بھی یہی ہے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے، اور امام احمد سے بھی مروی ہے، کہ گواہی شرط نہیں، اور شرط تو فقط نکاح کا اعلان ہے۔ **﴿شرح زاد المستقنع ج ٢٠ ص ٣٦﴾**

امید ہے خیر طلب صاحب کے یہ شبہات بھی رفع ہو چکے ہونگے۔

قولہ: اگر آپ کو اصل اعتراض یاد ہو تو وہ اس ہی بات پر تھا کہ بغیر گواہوں کے نکاح باطل ہے جس کا ابطال ہم نے کیا۔ اب مزید تو جیہیں وکٹ حجتی بات کو گمبھیر تو بنا سکتی ہے لیکن آپ کا مدعا ثابت نہیں کر سکتی۔

اب ہم اپنی دلیل دیتے ہیں کہ متعہ میں گواہوں کی شرط ضروری نہیں۔ چناچہ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے جس کا اردو ترجمہ ہم اہلسنت حضرات کے بنائے ہوئے سافٹ ویئر سے من وعن نقل کر دینگے:

اردو ترجمہ: ﴿ ربیع بن سبرہ سے روایت ہے کہ ان کے والد رضی اللہ عنہ غزوہ فتح مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور کہا کہ ہم مکہ میں پندرہ یعنی رات اور دن ملا کر تیس دن ٹھہرے تو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی پس میں اور میری قوم کا ایک شخص دونوں نکلے اور میں اس سے خوبصورتی میں زیادہ تھا اور وہ بدصورتی کے قریب تھا اور ہم میں سے ہر ایک پاس چادر تھی اور میری چادر پرانی تھی اور میرے ابن عم

کی چادر نئی اور تازہ تھی۔ یہاں تک کہ ہم جب مکہ کے نیچے یا اوپر کی جانب میں پہنچے تو ہمیں ایک عورت ملی جیسے جوان اونٹنی ہوتی ہے، صراحی دار گردن والی (یعنی جوان خوبصورت عورت) پس ہم نے اس سے کہا کہ کیا تجھے رغبت ہے کہ ہم میں سے کوئی تجھ سے متعہ کرے؟ اس نے کہا تم لوگ کیا دو گے؟ تو ہم میں سے ہر ایک نے اپنی چادر پھیلائی تو وہ دونوں کی طرف دیکھنے لگی، اور میرا رفیق اس کو گھورتا تھا (اور اس کے سر سے سرین تک گھورتا تھا) اس نے کہا کہ ان کی چادر پرانی ہے اور میری چادر نئی اور تازہ ہے۔ تو اس عورت نے دو یا تین بار یہ کہا کہ اس کی چادر میں کوئی مضائقہ نہیں۔ غرض میں نے اس سے متعہ کیا۔ پھر میں اس عورت کے پاس سے اس وقت تک نہیں نکلا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کو حرام نہیں کر دیا۔ ﴾

حوالہ: صحیح مسلم . جز . ۲ . صفحہ . ۱۰۲۴

اس کی شرح میں نووی رقم طراز ہے:

﴿وفی هذا الحدیث دلیل علی انه لم یکن فی نکاح المتعة ولی ولا شهود ﴾

یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے نکاح متعہ میں ولی کی اور گواہی کی ضرورت نہیں۔

حواله: المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج ۔جز۔۹۔صفحه ۔۱۸۵۔۱۸۶۔

اور یہی بات علامہ نواب صدیق حسن بھوپالی نے بھی السراج الوھاج، جز اول۔ صفحہ۔ ۵۲۵ طبع قدیم میں کہی۔

اب ہمارا اور آپ کا اختلاف اگر چہ اس کی منسوخ ہونے پر ضرور ہے لیکن اب ان احکامات کو خالص شیعی وضعی قرار دینا جائز نہیں، جبکہ صدر اسلام میں نکاح متعہ میں ولی اور گواہوں کی اجازت ضروری نہیں تھی۔ باقی ابن قدامہ کا قول بڑا واضع ہے اور مالک بن انس کے ساتھ شرط اعلان لگانا اس بات کا ثبوت ہے کہ باقی اس شرط کو بھی ضروری نہیں سمجھتے۔

اقول : اصل اعتراض گواہی پر نہیں، اصل اعتراض چوری چھپے نکاح پر ہے، جو کہ آپ کے علماء کی رائے ہے، اور جس کو آپ ہمارے علماء کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ گواہی ہو یا اعلان، بنیادی مقصد تو نکاح کا مشتہر ہونا اور خفیہ نہ ہونا ہے۔ اور نکاح المتعہ میں ولی اور گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، اس سے میں انکار نہیں کرتا۔ لیکن میں نے خیر طلب کا رد بھی اسی وقت کیا جب اس نے نکاح دائمی میں اہلسنت کے ائمہ کے اقوال پیش کیئے کہ گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نکاح دائمی میں اعلان اور/ یا گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ ملاحظہ کیجئے امام جعفر کیا فرماتے ہیں:

علی بن ابراهیم عن ابیه عن ابن ابی عمیر عن عمر بن اذینة عن زرارة قال سئل ابو عبد الله عن الرجل یتزوج

المراة بغير شهود فقال لا باس بتزويج البتة فيما بينه و بين الناس انما جعل الشهود فی تزویج البتة من اجل الولد لو لا ذلک لم یکن به باس

زرارہ بن اعین سے روایت ہے کہ امام جعفر سے سوال کیا گیا اس شخص کے بارے میں جو کہ کسی عورت سے بغیر گواہوں کے شادی کرتا ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ''اس شادی میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ جو اس کے اور اللہ کے درمیان ہے۔ بے شک گواہوں کو مقرر کیا گیا ہے شادی میں اولاد کی وجہ سے، اگر ایسا نہ ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ **﴿فروع الکافی ج ۵ ص ۷۸﴾**

پس یہاں سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اس وجہ سے شادی کرتا ہے کہ اس کی اولاد ہو، تو اس کو گواہ لانے پڑیں گے، لیکن اگر وہ شادی میں اولاد کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، بلکہ محض فلمی شادی کرنا چاہتا ہے، تو وہ گواہ لائے یا نہ لائے، کوئی مضائقہ نہیں۔

اگلی روایت ملاحظہ کیجئے:

علی بن ابراهیم عن ابیه و محمد بن یحیی عن عبد الله بن محمد جمیعا عن ابن ابی عمیر عن هشام بن سالم عن ابی عبد الله علیه السلام قال انما جعلت البینات للنسب والمواریث وفی روایة اخری والحدود

ہشام بن سالم سے روایت ہے کہ امام جعفر نے فرمایا: بے شک گواہوں کو نسب اور وراثت کے معاملات کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے: حدود کے لئے۔ **﴿فروع الکافی ج ۵ ص ۷۸﴾**

زرارہ اور ہشام دونوں کی روایات کو مجلسی نے مراۃ العقول میں حسن قرار دیا ہے۔ **﴿مراۃ العقول ج ۲۰ ص ۱۲۰﴾**

پس اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر اپنے بچوں کے نسب کی فکر ہو، اور ان کے وراثت کے معاملات کی فکر ہو، اور حدود کا کچھ خیال ہو، تو گواہ لازمی لانے چاہیئے۔ اور اگر ان کی پروا نہ ہو، فقط شغل میلے کے واسطے شادی کرنی ہو، تو پھر گواہ نہ بھی ہوں تب بھی کام چل جائے گا۔

اب اہل تشیع سے ہمارا سوال ہے، کیا شادی فقط شغل میلے کے واسطے کی جاتی ہے؟ کیا آپ کو بچوں کی اور ان کے نسب کی فکر نہیں ہوتی، ان کے وراثت کے معاملات آپ کے نزدیک کچھ اہمیت نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہیں تو آپ کو گواہ لانے پڑیں گے۔ ورنہ نہ بچوں کا نسب ثابت ہوگا، اور نہ ان کی وراثت کے معاملات کو طے کیا جا سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ابن ابی عقیل العمانی جو کہ انتہائی مشہور شیعہ فقیہ اور متکلم گزرا ہے، نکاح دائم میں گواہوں کی شرط کے قائل ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد علی انصاری شیعی اپنی کتاب ''الموسوعۃ الفقھیۃ المیسرۃ'' میں لکھتا ہے

(قال ابن ابی عقیل بوجوبه) ﴿الموسوعة الفقهية الميسرة ج ۳ ص ۳۵۶﴾

قولہ: اگر آپ مفہوم و دلالت کے اعتبار سے دیکھیں تو دونوں چیزیں تقریبا ایک جیسی ہے فقط صیغہ جات کا فرق ہے اور بعض ضمنی احکامات کا۔ یعنی ایک شخص ایک مدت کے لیے نکاح متعہ کرتا ہے اور دوسرا شخص نکاح دائمی بنیت

طلاق کرے۔ پہلا شخص جو متعہ کر رہا ہے وہ ایک سال کی میعاد و عرصہ کو اعتبار جانیدوسرا شخص جو نکاح دائمی کر رہا ہے وہ اس نیت سے دیکھے کہ میں ایک سال کے بعد اسے طلاق دے دونگا۔تو کلام صاحب مجھے فرق بتائیں؟ سوائے صیغہ جات جو نکاح کے لئے الگ الگ پڑھے جائیں گے اس کے علاوہ کوئی فرق ہے،نہیں جی نہیں۔دونوں میں وہی باتیں لازم ملزوم ہیں جو نکاح متعہ کا خاصہ ہے۔ادھر بھی ایک میعاد مقرر ہے اور ادھر بھی نیت میعاد ادھر بھی اس میعاد کے اختتام پر رشتہ منقطہ ہو جائے گا اور ادھر بھی۔اس تمہید کے ذکر کے بعد اصل موضوع پر آتے ہے اور اپنے اس اقتباس کو نقل کرتا ہوں جو پچھلی تحریر میں تھا۔

اہلسنت مکتب کے مشہور فقہی مکاتب کے نزدیک اگر کوئی شخص اس نیت سے شادی کرے کہ میں عورت کو طلاق دے دوں گا تو وہ شادی صحیح ہے۔چناچہ اس حوالے سے اہلسنت کے تین مشہور مکاتب فقہی یعنی فقہہ حنفی،فقہہ مالکی،فقہہ شافعی اور ایک قول کے مطابق فقہہ حنبلی اس نکاح کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

جب علامہ اوزاعی اہلسنت امام کے پاس یہ مسئلہ پہنچا تو انہوں نے اس نکاح متعہ قرار دیتے ہوئے اس قول کو قابل التفات نہ سمجھا۔

حوالہ :الموسوعتہ الفقھیہ .جز . ۴۱. صفحہ . ۳۴۳. ۳۴۴

اگر اس نکاح میں جو نیت طلاق حد فاصل ہے،اس میں اہلسنت کے نزدیک معنوی قباحت نہ ہوتی تو علامہ اوزاعی کبھی متعہ قرار نہ دیتے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اوزاعی جو شام کے آئمہ میں سے ایک تھے انہوں نے اس کو متعہ کیوں قرار دیا؟ یقیناً ان کے نزدیک اس میں معنوی تاثرات وہی ہوتے ہیں جو نکاح متعہ میں ہوتے ہیں۔اب آخر میں مزید تقویت کے لیے علامہ ابن قدامہ کا قول نقل کرتے ہیں:

﴿وان تزوجھابغیر شرط الا ان فی نیته طلاقھابعد شھر او اذا انقضت حاجته فی ھذا البلد ،فالنکاح صحیح ،فی قول عامة اھل العلم الا ا لاوزاعی قال:ھو نکاح متعة.والصحیح انه لاباس به.﴾

﴿اور اگر کوئی شخص بغیر شرط کے نکاح کرے مگر اس کی نیت یہ ہو کہ ایک مہینہ بعد طلاق دے دیگا یا اگر اس کی حاجت کسی خاص شہر میں پوری ہو جائے تو طلاق دے دیگا تو اس صورت میں نکاح صحیح ہے جمہور اہل علم کے قول کے نزدیک مگر یہ کہ اوزاعی اس صورت کو نکاح متعہ قرار دیتے ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ اس میں کوئی برائی نہیں۔﴾

حوالہ :المغنی -جز -۷-صفحہ -۱۸۰

اقول : صیغہ جات کے علاوہ فرق میں آپ کو بتاتا ہوں۔ صیغہ جات کے علاوہ فرق یہ ہے کہ متعہ میں میاں اور بیوی دونوں کے درمیان یہ شرط رکھی جاتی ہے کہ متعہ کا دورانیہ اتنی باریوں، گھنٹوں، دنوں یا مہینوں کا ہوگا۔ جبکہ نکاح بنیۃ الطلاق میں یہ شرط نہیں ہوتی، بلکہ ایک بات جو فقط مرد کے دل میں موجود ہوتی ہے۔ پھر میراث کے معاملات اس میں جدا اور متعہ میں جدا ہوتے ہیں۔ متعہ میں مرد بیوی کے نان نفقہ کا ذمہ دار نہیں ہوتا، جبکہ نکاح بنیۃ الطلاق میں مرد بیوی کے نان نفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

یہ تین ایسی واضح باتیں ہیں، جن سے ایک شخص بہت اچھی طرح دونوں میں فرق کو سمجھ سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ طلاق بنیۃ الطلاق کو خود شیعہ علماء نکاح دائمی سمجھتے ہیں، تو امام اوزاعی کے قول سے کس طرح اس کو نکاح متعہ کی طرح قرار دیں گے؟ اگر شیعہ علماء اس کو نکاح متعہ ہی سمجھتے ہیں، تو اس پر آپ دلیل پیش کریں، پھر امام اوزاعی کے قول سے استدلال کریں۔

قولہ : یہ ہماری تحریر کا آخری سلسلہ ہے اور اس تحریر میں درج ذیل موضوعات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔

۱۔ یحیی بن اکثم اور لواطت کا قصہ

۲۔ معاویہ کا شراب پینا

۳۔ استمناء یعنی خود لذتی و علماء اہلسنت

۱۔ یحیی بن اکثم اور لواطت کا قصہ

یحیی بن اکثم ایسی شخصیت ہے جن کی لواطت حد اشتہار تک پہنچی ہوئی ہے اور انکی لواطت کے حوالے سے ہمارا اور کلام صاحب کا بڑا تفصیلی مباحثہ ہو چکا ہے، اس کے بعد بھی کلام صاحب اس اعتراض کرنے پر مصر ہے:

اعتراض: ایسا غبی ہی یحیی بن اکثم پر ایسا الزام لگا سکتا ہے۔

جواب: اس کا جواب ہم اپنے پرانے آرٹیکل سے ہی بایں دیں گے:

ثعالبی نیشاپوری اپنی کتاب ثمار القلوب فی المضاف والمنسوب صفحہ۔۱۵۶۔۱۵۸ رقم ۲۲۱ طبع دار المعارف میں لواط یحیی بن اکثم کی پوری ۳ صفحات کی داستانیں لکھی ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی اپنی کتاب محاضرات الادباء، جلد ۱ صفحہ۔۴۳۴ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس میں ایک خوبصورت لڑکے نے ایک سوال کے جواب میں یحیی بن اکثم کہ زمین کی خبر کے مطابق تم لواطت کرتے ہو۔ علامہ شمس الدین ذہبی نے سیر اعلام النبلاء۔ جلد۔۱۲۔ صفحہ۔۱۰۔ میں کہا کہ یحیی بن اکثم ایام جوانی میں خوبصورت لڑکوں سے مسخرہ کرتے تھے۔ اس کے علاوہ کلام صاحب نے ایک بار اس قول سے بایں استدلال کیا تھا:

احمد بن یعقوب فرماتے ہیں ﴿کان یحیی بن اکثم یحسد حسدا شدیدا﴾

جس کا جواب ہم نے یہ دیا تھا:

جواب: خدارا ذرا ایمان سے بتائیے کہ آپ نے روایت کا آگے کا حصہ نہیں پڑھا، یہ روایت بایں ہے:

اخبرنی الازہری ،اخبرنا محمد بن عباس قال حدثنا محمد بن خلف بن مرزبان بن بسام قال حدثنی ابو العباس احمد بن یعقوب قال کان یحیی بن اکثم یحسد حسدا شدیداو کان مفتنا فکان اذانظر الی رجل یحفظ الفقه ساله ان الحدیث،فاذاراه یحفظ الفقه ساله عن الحدیث ،فاذاراه یحفظ الحدیث ساله عن النحو فاذاراه یعلم النحو ساله عن الکلام لیقطعه و یحنجله فدخل الیه رجل من اهل خراسان ذکی حافظ فنا ظره فراه مفتنا فقال له نظرت فی الحدیث؛قال نعم قال فماتحفظ من الاصول ؛قالاحفظ شریک عن ابی اسحاق عن الحارث عن علیاان علیارجم لوطیه فامسک یکلمه شی .

یحیی بن اکثم شدید حسد رکھا کرتا تھا (یہ صیغہ معروف کا ہے مجہول کا نہیں فتدبر از خیر طلب) اور وہ بہت بڑا فن رکھنے والا آدمی تھا، پس وہ جب بھی کسی شخص کو دیکھتا جیسے فقہ پر عبور ہوتا تو یحیی (حسد کے مارے) اس سے حدیث کے بارے میں سوال کرتا جب وہ یہ دیکھتا کہ اسے تو حدیث پر بھی عبور ہے تو وہ علم نحو کے بارے میں پوچھتا جب وہ یہ دیکھتا کہ وہ شخص علم نحو بھی جانتا ہے تو یحیی علم کلام کے بارے میں سوال کرتا تا کہ اس شخص کے علمی رعب کو توڑا جائے اور اس کو پریشان کیا جائے (حسد کی انتہا از خیر طلب) پس ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ خراسان کا ایک شخص داخل ہوا جو نہایت ذہین اور حافظ تھا پس یحیی بن اکثم نے اس شخص سے مناظرہ شروع کر دیا، پس مناظرے کے دوران یحیی کو محسوس ہوا کہ یہ شخص نہایت ذہین ہے۔ یحیی نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہیں حدیث کے بارے میں علم ہے؟ اس (اہل خراسان والا) نے کہا بیشک۔ یحیی بن اکثم نے اس شخص سے علم اصول کے بارے میں پاچھا تو اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے شریک سے روایت کی اس نے ابوالاسحاق سے اس نے حارث سے اس نے حضرت علی سے روایت کی علی ،لواطت کرنے والوں کو رجم کیا کرتے تھے، یہ سن کر یحیی قابو میں آیا اور پھر اسے بولنے کی کچھ ہمت نہیں ہوئی۔ **حواله :تاریخ بغداد،جلد ۱٤، صفحه ۲۰٤**

تبصرہ: یہ دیکھیں یہ کلام صاحب کی علمی امانت کا حال ہے کہ ترجمہ بھی غلط کیا اور پھر اوپر سے یحیی کی حسد کی کہانیاں جو وہ لوگوں کے زیچ کرنے کے لیے کرتا لیکن اب ثابت ہوا کہ کلام صاحب کے نزدیک جو قابل احتجاج روایت ہے

اقول : قصہ کچھ یوں ہے کہ دو سال پہلے ہمارا یحیی بن اکثم کے حوالے سے مباحثہ ہوا تھا۔ اس حوالے سے موصوف نے اپنے دلائل دیئے، جن کا میں نے رد پیش کیا۔ موصوف نے بے سند روایات پیش کی، جس کے مقابلے میں احقر نے یحیی بن اکثم ہی کے ہم عصر، اور اپنے

وقت کے امام احمد بن حنبل سے اس کی تردید شدید الفاظ میں ایک ایسی سند سے دکھائی تھی، جس کی سند میں کوئی خامی نہیں تھی۔اس کی سند میں خیر طلب نے جو اعتراض کیا تھا، اس کی خامی ہم ابھی خیر طلب کے اپنے اصولوں سے ہی دکھائیں گے، لیکن جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے، تو اس روایت کو میں نے امام احمد کی روایت کی مؤید کے طور پر پیش کیا تھا۔چنانچہ امام احمد کی روایت کی سند کے ایک ایک راوی کی توثیق میں نے دکھائی تھی، اور اس روایت کی سند کے راویوں کی توثیق میں نے نہیں دکھائی تھی۔ بہر حال اس وقت عربی زبان سے عدم واقفیت کی بنا پر اس روایت کا ترجمہ کرنے میں غلطی کی۔ لیکن بفضل خدا اب میں اس روایت کے متن اور سند دونوں کا ضعف آپ کے سامنے واضح کر رہا ہوں۔اس کی سند میں محمد بن خلف بن مرزبان کے بارے میں امام دارقطنی فرماتے ہیں ''اخباری لین''۔﴿میزان الاعتدال للذهبی ج ۳ ص ۵۳۸﴾ اس کی سند میں کمزوری یوں ہے کہ خراسان کا یہ عالم فاضل جو روایت حضرت علی سے نقل کر رہا ہے، اس کی سند میں ایک کذاب ''حارث بن عبداللہ الاعور'' ہے، دو مدلسین ہیں یعنی شریک اور ابو اسحاق، اور دونوں ہی عن سے روایت کر رہے ہیں۔ پس خراسان کا یہ عالم ایک ایسی حدیث لے کر آیا جو کہ سراسر موضوع ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ ایک شخص جو تمام علوم اپنے پاس رکھتا ہو، ایسے شخص سے کیونکر حسد کرے گا؟ اس نے تو موضوع روایت پیش کر کے اپنے علم حدیث کا انکشاف کر دیا۔اور خراسان کے عالم نے تو سند یوں بیان کی ''احفظ شریک عن ابی اسحاق عن الحارث ان علیا رجم لوطیا'' لیکن خیر طلب نے جوش میں ہوش کھوتے ہوئے اس کی سند یوں لکھ ڈالی ''احفظ شریک عن ابی اسحاق عن الحارث عن علیا ان علیا''۔ کلمہ، نماز، قرآن اور اذان کے بعد اب سند میں بھی 'علی' کا اضافہ ایک نیا شوشہ ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ سو سنار کی، ایک لوہار کی۔ اسی طرح خیر طلب کی ان ضعیف و بے سند حکایات اس ایک باسند معتبر روایت کے مقابلے میں خس و خاشاک سے بھی زیادہ گئی گزری ہیں۔

چنانچہ میں باسند امام احمد بن حنبل کا قول نقل کرتا ہوں:

اخبرنا ابو الحسن محمد بن عبد الواحد (ثقه) حدثنا محمد بن العباس (ثقه) حدثنا محمد بن هارون بن المجدر (ثقه) قال حدثنا عبد الله بن احمد بن حنبل (ثقه) ذكر يحيى بن اكثم عند ابى ... وذكر له ما يرميه الناس فقال سبحان الله سبحان الله ومن يقول هذا؟ وانكر ذلک احمد انكارا شديدا

عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن اکثم کا تذکرہ میرے والد صاحب کے ہاں ہوا، اور اس کا تذکرہ بھی ہوا جو لوگ اس جس کا لوگ اس پر الزام دھرتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا: سبحان اللہ سبحان اللہ، یہ کون کہتا ہے؟ اور امام احمد نے شدید طور پر اس کا انکار کیا۔﴿**تاریخ بغداد ج ۶ ص ۲۵۸**﴾

اس صحیح سند کے علاوہ کچھ اور نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا، کیونکہ ہمارے مخالف کے پاس کوئی صحیح سند اس حوالے سے موجود نہیں، جس سے اپنا الزام ثابت کر سکیں۔

مشہور مورخ ابن خلدون نے بھی اس کو سراسر افتراء اور بہتان قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں(**وكذلك ما ينبزه المجان بالمين الى الغلمان بهتانا على الله وفرية على العلماء ويستندون فى ذلک اخبار القصاص الواهية التى لعلها من افتراء**

اعتدائه فانه كان محسودا فی كماله وخلته للسلطان وكان مقامه من العلم والدين منزها عن مثل ذلک)

﴿مقدمه ابن خلدون ص ۱۹﴾

اور چونکہ خیر طلب کو سند کی پروانہیں، بلکہ فقط الزام لگانے کا شوق پورا کرنا ہے، لہٰذا ایسے ضعیف اور بے سند اقوال ہم بھی پیش کر دیتے ہیں۔

وقال القاضی ابوعمر محمد بن یوسف سمعت اسماعیل بن اسحاق یقول کان یحیی بن اکثم ابرا الی الله تعالی من ان یکون فیه شیء مما رمی به من امر الغلمان ولقد کنت علی سرائره فاجده شدید الخوف من الله تعالی ولکن کانت فیه دعابة

قاضی ابوعمر محمد بن یوسف کہتے ہیں کہ انہوں نے اسماعیل بن اسحاق کو فرماتے ہوئے سنا کہ یحیی بن اکثم اللہ کے نزدیک اس سے بری ہیں کہ ان میں کچھ ہو۔ اور لڑکوں کی طرف رجحان کے بارے میں جوان پر الزام لگایا جاتا ہے، وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ میں ان کے باطنی احوال خوب جانتا ہوں۔ میں انہیں اللہ سے انتہائی ڈرنے والا پاتا ہوں، البتہ دل لگی ان کی عادت تھی۔ **﴿تهذيب التهذيب ج ۱۰۵ ص ۱۰﴾**

قاضی اسماعیل فرماتے ہیں **معاذ الله ان تزول عدالة مثله بكذب باغ او حاسد** اللہ کی پناہ کہ آپ جیسوں کی عدالت دشمنوں اور حاسدوں کے جھوٹ سے زائل ہو جائے۔ **﴿سير اعلام النبلاء ج ۱۲ ص ۹﴾**

اس روایت کو ضعیف قرار دینے کے واسطے خیر طلب نے کہا کہ اس سند کا ایک راوی ناصبی ہے۔ خیر طلب کا یہ اعتراض نہ اہلسنت کی جرح و تعدیل میں کوئی وقعت رکھتا ہے، نہ ہی اہل تشیع کی جرح و تعدیل میں کوئی وقعت رکھتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود خیر طلب کے اپنے اصولوں کے بھی خلاف ہیں۔ اہلسنت نے بھی ناصبی راویوں کی توثیق کی، اہل تشیع نے بھی ناصبی راویوں کی توثیق کی، اور خطبہ شقشقیہ کے متعلق ایک روایت کی سند جس میں ایک خارجی راوی تھا، کی توثیق خود خیر طلب نے کی۔

قوله: معاویہ جو اہلسنت کے خلیفہ پنجم ہے، وہ شراب پیتے تھے، اس حوالے سے ہم مسند احمد بن حنبل کی روایت نقل کرتے ہیں: **﴿حدثنا عبدالله حدثنی ابی ثنا زید بن الحباب حدثنی حسین ثنا عبدلله بن بریدة قال: دخلت انا وابی علی معاوية فاجلسنا علی الفرش ثم اتینا بالطعام فاكلنا ثم اتینا بالشراب فشرب معاويه ثم ناول ابی ثم قال ما شربته منذ حرمه رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم قال معاويه كانت اجمل شباب قریش واجوده ثغرا وما شی ء کنت اجد له لذة كما کنت اجده وانا اللبن اوانسان حسن الحدیث یحدثنی﴾**

﴿بحذف سند عبداللہ بن بریدہ کہتے ہے میں اور میرے والد معاویہ کے ہاں گئے، پس معاویہ نے ہمیں فرش پر بٹھایا، اس کے بعد ہمارے لیے کھانے کا انتظام کیا، پھر ہمارے لیے مشروب لائی گئی جس کو معاویہ نے پیا اور میرے والد کو دیا پس انہوں نے کہا کے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام قرار دیا میں نے اس مشروب کو کبھی نہیں پیا، معاویہ نے کہا کہ جوانوں میں سے خوبصورت اور اچھی گردن کا حامل تھا س، مجھے دودھ پینا اور اچھی گفتگو کرنا بہت پسند تھی۔﴾

حوالہ:مسند احمد بن حنبل ،جز ۳۸، صفحہ ۲۵۔۲۶،طبع لبنان

ان علماء کا بیان جنہوں نے اس روایت کی تعدیل کی

اس سے پہلے روایت پر کوئی اعتراض کرے مناسب معلوم ہوتا ہے اس کی توثیق پیش کر دی جائے۔

شعیب ارنووط نے اس کی سند کو قوی کہا ہے۔**بحوالہ :مسند احمد ،جز ۳۸۔ص۔۲۵۔۲۶**

حمزہ احمد زین نے سند کو صحیح کہا ہے۔**بحوالہ :مسند احمد ،جز ۔۱۶۔صفحہ ۔۴۷**

علامہ ہیثمی نے اس کی سند کے راویان کو صحیح کے راوی کہا ہے۔**بحوالہ :مجمع الزوائد روایت نمبر ۸۰۲۲،**

شیخ مقبل الوادعی نے اس روایت کو معتبر قرار دیا ہے۔**بحوالہ :الجامع الصحیح مما لیس فی الصحیحین ،رقم ،۱۷۷**

اقول : خیر طلب کے دوغلے پن کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ ابوعوانہ کی روایت پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں ایک راوی یونس کو معمولی وہم ہوتا تھا، اب مسند احمد کی یہ روایت چونکہ اس کو اپنے مطلب کی دکھائی دے رہی ہے، لہذا اس کو ہر صورت میں معتبر تسلیم کرنے پر تلے ہوئے ہیں، حالانکہ اسکی سند میں زید بن الحباب **کثیر الخطا** راوی ہے۔امام احمد نے اسے کثیر الخطا قرار دیا ہے ﴿**سوالات ابی داود لاحمد ص ۳۱۹، العلل ج ۲ ص ۹۶**﴾۔اور اس روایت کی سند کے ایک اور راوی حسین بن واقد کے بارے میں ابن حجر فرماتے ہیں **له اوهام** ﴿**تقریب التهذیب ج ۱ ص ۱۶۹**﴾۔لیکن اس کے باوجود خیر طلب کے لئے اس سند میں کوئی مسئلہ نہیں۔میں کہتا ہوں کہ جب ان کا وہم اور کثیر الخطا ہونا اس روایت کی صحت پر کچھ اثر نہیں ڈالتا، تو کیوں ابوعوانہ کی سند پر اعتراض کرتے ہو۔دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے اس روایت کے متعلق جو جواب دیا تھا، اس کا جواب خیر طلب نے کس حد تک دینے کی کوشش کی ہے، اس کو پڑھنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

قولہ : اب ہم درج ذیل اعتراضات کے جوابات دیتے ہیں:

اعتراض اول: اس روایت سے مشروب سے خمر یعنی شراب لینا صحیح نہیں۔

جواب: جناب کلام صاحب چلیں بالفرض اس مشروب سے شراب نہیں لیتے تو اس کا کیا مطلب ہوگا:

(قال ما شربته منذ حرمه رسول الله صلى الله عليه وسلم)

انہوں نے کہا کے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام قرار دیا میں نے اس مشروب کو کبھی نہیں پیا۔

یقیناً اس جملے ثابت ہے جس مشروب کی بات ہو رہی تھی کم سے کم وہ حلال نہیں تھی۔ باقی دودھ وغیرہ اس کو اس لئے قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس کا پینا کبھی حرام نہیں ہوا۔

اقول : مشروب کا معنی خمر یعنی شراب نہیں ہوتا، یہ آپ فرض نہ کریں، یہ تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا چاہے آپ کو اچھا لگے یا برا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایک انسان ذرا بھی عقل سے کام لے تو جان جائے گا کہ یہ قول خود ہی بتا رہا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے شراب نہیں پی۔ کیا کوئی شخص شراب پی کر یہ کہتا ہے کہ جب سے رسول اللہ ﷺ نے اسے حرام قرار دیا، تب سے میں نے نہیں پیا؟ اور اگر ایسا ہوتا تو حضرت بریدہؓ ادھر ہی پکار اٹھتے کہ جناب ابھی شراب بھی پی لی اور ابھی کہتے ہو جب سے حرام ہوئی تب سے میں نے نہیں پی! یہ تو کھلا تضاد ہے، جس کو عقلِ سلیم تسلیم نہیں کرتی۔ ہاں اگر ہم بھی عقل پر پردہ ڈال دیں، تو کوئی صورت نکل سکتی ہے۔

قولہ : اعتراض دوم: ادھر اس جملہ (جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام قرار دیا میں نے اس مشروب کو کبھی نہیں پیا) کے قائل بریدہ صحابی نہیں بلکہ معاویہ ہے اور یوں ثابت ہوتا ہے کہ وہ شراب سے بیزار تھے۔

جواب: کلام صاحب قائل کوئی بھی ہو روایت کے جملے یہ بتا رہے ہیں:

(فشرب معاويه)

معاویہ نے اس مشروب کو پیا۔

اب دو صورتیں ہیں:

۱۔ اگر قائل بریدہ دئے جائیں تو اس سے مراد معاویہ کی مذمت و معاویہ کو تنبیہ کرنا ہوگی۔

۲۔ اگر قائل معاویہ لیا جائے تو یہ تو اس بڑی فضیحت ہے کہ ایک جگہ پی بھی رہے ہیں اور دوسری جگہ منع بھی نقل کر رہے ہے۔ اس کو کھلا تضاد سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

کلام صاحب کی گردن پر علامہ ابوبکر ہیثمی کی تلوار

جی یہ عنوان تھوڑا ثقیل معلوم ہو لیکن علامہ ابوبکر ہیثمی اس روایت کو ملا نقل نہیں کرتے بلکہ مسند احمد بن حنبل سے یوں نقل کر کے پوری روایت کو نقل نہیں کرتے بلکہ یوں عرض کرتے ہیں:

(رواه احمد و رجاله رجال الصحیح وفی کلام معا ویه شی ء ترکته)

احمد بن حنبل نے اس روایت کو نقل کیا اور اس کے سارے راویان صحیح کے روات ہیں، اور معاویہ کے کلام میں

کچھ ایسی چیز تھی جس میں نے عمدا ترک کر دیا۔

حوالہ:مجمع الزوائد ،جز ۵۔صفحہ ۔۵۵

یقیناً جو علم بلاغت کے جو دروس سئے گئے ہیں وہ علامہ ابوبکر ہیثمی کی قبر پر بھی دینا چاہیئے ۔ یہ روایت میں واقعی ایسی قباحت ہے کہ ابوبکر ہیثمی جیسا صحابی دوست بھی مجبور ہوا کہ روایتی حذف وبتر سے کام لے۔

اقول : یہ تلوار اصل میں میری گردن پر نہیں، بلکہ خیر طلب ہی کے گردن پر ہے۔ موصوف خود فرمار ہے ہیں کہ اگر ہم تسلیم کرلے کہ یہ قول بریدہؓ کا نہیں، بلکہ معاویہؓ کا ہے تو اس کو کھلا تضاد سے تعبیر کیا جائے گا۔ اور پھر علامہ ہیثمی کا قول لا رہے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: معاویہ کے کلام میں کچھ ایسی چیز تھی جس کو میں نے ترک کر دیا۔ اب فرمایئے، علامہ ہیثمی فرمار ہے ہیں کہ یہ حضرت معاویہؓ کا قول ہے، اور آپ خود تسلیم کرر ہے ہیں کہ اگر اس کو حضرت معاویہؓ کا قول تسلیم کیا جائے تو اس کو کھلا تضاد سے تعبیر کیا جائے گا، یعنی ایک جگہ پی بھی رہے ہیں، اور منع بھی کرر ہے ہیں۔ تو فرمایئے، یہ معاویہؓ کا قول بھی ہو، اور تضاد کی صورت بھی نہ ہو، یہ تو اسی وقت ممکن ہے جب حضرت معاویہؓ شراب کی بجائے کسی اور مشروب کی بات کرر ہے ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ ہیثمی کی تلوار جو آپ میرے گردن پر لٹکانا چاہ رہے تھے، اس سے آپ ہی کی گردن کٹ گئی۔ اور معاویہؓ کے مذکورہ الفظ کو علامہ ہیثمی نے غالباً اس وجہ سے ترک کر دیا کہ ان کے نزدیک یہ الفاظ منکر ہوں۔ کسی وجہ کے بغیر اس کی یہ توجیہ پیش کرنا کہ ان الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے شراب پی، سراسر غلط ہے۔ ابن ابی شیبہ نے بھی یہی روایت انہی اسناد سے نقل کی ہے، لیکن انہوں نے بھی مذکورہ الفاظ کو نقل نہیں کیا۔ ﴿مصنف ابن ابی شیبہ ج ٦ ص ١٨٨﴾

قولہ : اعتراض: حمیری شیعہ بقول مبلغ اعظم محمد اسمعیل شراب پیتا تھا۔

جواب: علامہ اسمعیل صاحب نے تنقیح المقال للمامقانی سے جو بات نقل کی ہے وہ اسمعیل بن محمد الحمیری کے ترجمہ میں ملتی ہے۔ ادھر خود علامہ عبداللہ مامقانی نے تین اقوال اس راوی کے عنوان سے نقل کئے ہیں:

١۔ یہ راوی ثقہ ہے۔ ٢۔ یہ راوی ممدوح ہے۔ ٣۔ یہ راوی ضعیف ہے۔

تیسرے قول کے ذیل میں انہوں نے یہ بات نقل کی ہے:

(انہ کان یشرب الخمر) وہ شراب پیتا تھا۔

حوالہ:تنقیع المقال۔جز۔١٠۔صفحہ۔٣١٢

اس روایت کا اصل مرجع دراصل رجال کشی کی روایت ہے جس کے بارے میں آیت اللہ العظمی سید خوئی رقم طراز ہے:

(واما ماروا‌ه الكشى ،من الروايات،فهى ضعيفة السند)

اور جو روایات کشی نے نقل کی ہیں وہ ساری ضعیف اسناد سے مروی ہیں۔

حواله:معجم رجال الحديث.جز.٤.صفحه .٩٤.رقم راوى .١٤٣٢

لہذا کلام صاحب ادھر ادھر کے قول نقل کرنے کے بجائے کم سے کم اپنی منہج پر تو قائم رہتے جو کسی عالم اہلسنت کو خاطر میں نہیں لاتا بلکہ سند پر اعتراض کرنا وظیفہ عاجلہ سمجھتا ہے۔ پس اس وظیفہ سے ہم نے بھی ابھی استفادہ کرلیا۔

اقول : خیر طلب کی حرکت سے ہم کافی محظوظ ہوئے۔ موصوف کے اپنے علماء جب کسی شخص کے بارے میں کچھ کہہ دیں، تو موصوف اسناد کی طرف دوڑنے لگتے ہیں۔ اور جب اپنا مفاد ہوتا ہے تو اسناد کو ایک طرف رکھ کر علماء کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس جس طرح خیر طلب کو سند کی طرف رخ کرنا پڑا، اس طرح ہم نے بھی کیا۔ موصوف ہم پر تو الزام دھرتے ہیں، لیکن یہاں آ کر خود ہی پھنس گئے، اور اپنے مبلغِ اعظم مولوی اسماعیل اور دیگر شیعہ علماء کو ایک طرف کر کے سند کی طرف بھاگ پڑے۔

قولــه : کلام صاحب کو اجمالا ہم نے کہا تھا کہ استمناء بہت سارے اہل علم نے جائز قرار دیا۔ تو کیا سارے مسلمان خواہشات کو مٹانے کی خاطر وہ کرنے لگ جائیں اور یہ کہا تھا کہ اسلام الگ ہے اور ماننے والے الگ ہیں دونوں میں نسبت تساوی نہیں۔ اس پر ہونا یہ چاہیئے تھا کہ اس کا شافی کافی جواب دیا جاتا ہے۔ کلام صاحب نے روایتی انداز میں فقط الزامی جواب دیتے ہوئے علامہ مجلسی کی کتاب کا ایک فتوی نقل کیا ہے جس میں علامہ نے کہا:

﴿بیوی یا لونڈی جو دونوں حلال ہے ان کے ہاتھ سے استمناء کو جائز قرار دیا ہے﴾

اس سے کلام صاحب نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ شیعہ اس فعل کو مطلقا جائز سمجھتے ہیں۔

اقول : ہمیں بار بار خیر طلب کی علمی خیانتوں سے واسطہ کرنا پڑ رہا ہے۔ موصوف نے دھاندلیوں کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ ہم نے حق الیقین کی عبارت یوں پیش کی تھی (اگر ہاتھ یا انگلی یا اپنی عورت یا کنیز کے کسی اعضا سے بازی کرے تا کہ منی نکل آئے جائز ہے اور کسی دوسری چیز سے جائز نہیں اور اپنی زوجہ یا کنیز کے ہاتھوں سے عضو تناسل کو ملنے میں تا کہ منی نکل آئے اختلاف ہے۔) ﴿**حق اليقين ج ٢ ص ٢٨٦**﴾ اور خیر طلب فرماتے ہیں (کلام صاحب نے روایتی انداز میں فقط الزامی جواب دیتے ہوئے علامہ مجلسی کی کتاب کا

ایک فتوی نقل کیا ہے جس میں علامہ نے کہا: بیوی یا لونڈی جو دونوں حلال ہے ان کے ہاتھ سے استمناء کو جائز قرار دیا ہے) ۔ یہ عبارت کیا معنی دے رہی ہے، اور موصوف نے جو عبارت میں تحریف کر کے لکھا ہے، وہ کیا معنی دے رہی ہے، قارئین فیصلہ کر سکتے ہیں۔ عبارت نقل کرنے میں ایسی خیانت کی ہمیں قطعاً امید نہیں تھی۔

قولہ : کلام صاحب اگر اس عبارت میں آپ یہ دیکھادیں یا ثابت کردیں کہ ایک مرد اپنے ہاتھ سے اس فعل قبیح کو انجام دے سکتا ہے تو منہ مانگا انعام پائے۔ بیوی اور کنیز کے ہاتھ سے ہونے کو تو بالتفاق اہلسنت علماء جائز قرار دیتے ہیں۔ جس کا حوالہ عنقریب آئے گا لیکن اپنے ہاتھ سے جائز قرار دینے کے عنوان سے کسی موثق شیعہ عالم کا قول نقل کریں جو مطلقا اس کی اجازت دیتا ہو؟ ھل من مبارز؟

اقول : کلام نے عبارت پیش کردی ہے، عبارت کو پڑھنے والے بخوبی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب نکلتا ہے۔ اور یہ منہ مانگا انعام ہماری طرف سے آپ اپنی جیب میں سنبھال کر رکھئے۔ لبنان کے مشہور شیعہ عالم آیت اللہ فضل اللہ سے ایک عورت نے سوال کیا:

Q. I am a girl. Is it permissible for me to practice masturbation in order to protect myself from committing impermissible acts? I tried to quit this habit, but I could not because that makes me nervous and sick, knowing that I am a 30 year old single woman and I have no other choice in order to satisfy my sexual desire?

A: This is permissible and it is not prohibited for women to practice the secret habit (which leads to ejaculation in men), since they do not have semen, according to what the experts have proved, especially in the above mentioned case that is based on preventing oneself from committing a prohibited act.

www. english.bayynat.org.lb/QA/qa.aspx?id=86

اس کا ترجمہ کرنا نہیں چاہتا، سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ وسائل الشیعہ میں حسین بن زرارہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا **سالت اباجعفر علیہ السلام عن رجل یعبث بیدیہ حتی ینزل، قال لاباس بہ**

میں نے امام باقر سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو ہاتھ کے ساتھ کھیلتا ہے (یعنی مشت زنی کرتا ہے) یہاں تک کہ انزال کر جائے۔ تو انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی قباحت نہیں۔ ﴿**وسائل الشیعہ ج ۲۸ ، ص ۳۶۳، الاستبصار ج ۴ ص ۲۲۷**﴾

قولہ : اب اس موضوع کو درج ذیل موضوعات میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔علماء اہلسنت کے اقوال استمناء مطلقا جائز ہے۔

۲۔علماء اہلسنت کے اقوال کے بیوی کے ہاتھ سے استمناء حلال ہے۔

۳۔شیعی تراث سے استمناء وخودلذتی کی شدید مذمت۔

علماء اہلسنت کے اقوال استمناء مطلقا جائز ہے

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ طائفہ اہلسنت اس فعل کو جائز سمجھتی ہے اور بعض علماء اس کو حرام سمجھتے ہیں۔اصل استدلال ہرگز اس کی اباحت وغیرہ ثابت کرنا نہیں اہلسنت کے نزدیک بلکہ بعض ملاوں کے فتوی اور اصل اسلام کے درمیان فرق کو واضح کرنا ہے۔

علامہ ابن جریر الطبر ی رقم طراز ہے:

(فقال العلاء بن زياد لاباس بذلک قد كنانفعله فی مغازيناحدثنا بذلک محمد بن بشار العبدی قال حدثنا معاذبن هشام قال حدثنی ابی عن قتادة عنه وقال الحسن البصری والضحاک بن مزاحم و جماعة معهم مثل ذلک)

علاء بن زیاد صحابی کا فرمان ہے کہ ہم استمناء میں کوئی قباحت نہیں دیکھتے اور ہم استمناء تو رسول اللہ کے ہمراہ ہی جنگوں میں کیا کرتے تھے۔حسن بصری اور ضحاک بن مزاحم اور ایک علماء کی جماعت کا یہی قول ہے۔

حواله :اختلاف الفقهاء،ص۔۳۰۳،الناشر :دارالكتب العلميه

اقول : یہاں پر خیر طلب نے دوغلطیاں کی ہیں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ علاء بن زیاد صحابی نہیں۔ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں(**هو العلاء بن زياد البصري تابعي زاهد قليل الحديث**). ﴿**فتح الباری ج ۸ ص ۵۵۵**﴾

اسی طرح علامہ ابوسعید العلائی فرماتے ہیں (**العلاء بن زياد تابعي**) . ﴿**جامع التحصيل ج ۱ ص ۲۴۹**﴾

دوسری بات یہ ہے کہ **فی مغازینا** کا ترجمہ(رسول اللہ کے ہمراہ ہی جنگوں میں) کرنا غلط ہے، بلکہ اس کا ترجمہ:(ہم اپنی جنگوں میں)۔ پورا ترجمہ یوں ہوگا(علاء بن زیاد نے فرمایا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ہم اپنی جنگوں میں ایسا کیا کرتے تھے)۔خیر طلب کو بھی عجیب و غریب حرکتیں سوجھتی ہیں۔بہر حال یہاں پر سوال واضح نہیں، کہ علاء بن زیاد سے سوال کیا پوچھا گیا تھا، آیا مطلقاً اس کے بارے میں پوچھا

گیا تھا، یا مجبوری کی حالت میں۔ کیونکہ ان کا یہ کہنا کہ ہم جنگوں میں ایسا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجبوری کی حالت کے بارے میں بات ہورہی ہے۔ اور وسائل الشیعہ کی روایت میں جو **لا باس به** یعنی اس میں کوئی قباحت نہیں کے الفاظ ہیں، تو اس کے متعلق شیعہ علماء نے لکھا ہے کہ (**حملا علی نفی الحد**) یعنی اس سے مراد یہ ہے کہ استمناء کرنے پر کوئی حد نہیں۔ ﴿**ریاض المسائل للسید علی الطباطبائی ج ۱۳، ص ۶۳۹**﴾ پس جس طرح شیعہ علماء اپنی روایت میں اس سے یہ مراد لیتے ہیں، تو اس روایت میں جو **لا باس بذلک** یعنی اس میں کوئی قباحت نہیں کے الفاظ ہیں، تو اس کے متعلق ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس سے مراد بھی یہی ہے کہ استمناء کرنے پر کوئی حد نہیں۔

قوله : علامہ ابن حزم فقیہ مذہب اہلسنت رقم طراز ہے:

(لان مس الرجل ذکره بشماله مباح،ومس المراة فرجها کذلک مباح باجماع الامة کلهافاذ هو مباح فلیس هنالک زیادة علی المباح الا التعمد لنزول المنی ،فلیس ذلک حراما اصلا)

پوری امت مسلمہ کے نزدیک چونکہ ایک مرد کا اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگانے میں کوئی اشکال نہیں، اسی طرح ایک عورت کا اپنے فرج کو ہاتھ لگانا مباح ہے، پس جب یہ فعال مباح ہے تو اپنے ہاتھ سے عمداً منی نکالنا بھی مباح سے تجاوز نہیں کرتا اور یہ اصلا حرام نہیں۔ حوالہ:المحلی بالاثار ،جز ۱۲،صفحہ ۴۰۷ علامہ صنعانی رقم طراز ہے: (وقد اباح الاستمناء بعض الحنابله و بعض الحنفیه) استمناء کو بعض حنبلی اور بعض حنفی جائز سمجھتے ہیں۔ حوالہ :سبل السلام ،جز ۲،صفحہ ۱۶۱ علامہ شوکانی نے استمناء کو حرام کہنے کے حوالے سے لافی دلائل کا رد اپنی تنصیف ۔۔بلوغ المنی فی حکم الاستمناء۔۔ میں کیا۔

چنانچہ ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ استمناء ان حضرات کے نزدیک جائز ہیں ۱۔علامہ بن زیاد صحابی ۲۔حسن البصری ۳۔ضحاک بن مزاحم ۴۔ابن حزم ۵۔شوکانی ۶۔بعض احناف ۷۔بعض حنبلی

اس کے علاوہ دیگر اور صحابی و تابعین سے یہ قول نقل ہوا ہے لیکن خوف طوالت کے پیش نظر فقط ان پر اکتفاء کیا جاتا ہے ۔ہمارے استدلال کا ایک جز کہ ماننے والوں سے کبھی دین کا تعین نہیں ہوتا کے پیش نظر جس طرح بعض طوائفہ کو اپنے برے افعال کے باوجود شیعیت سے منسوب کرتی ہے، اسی طرح یہ علماء بھی اسلام کا جنازہ فتووں کے ذریعے نکالتے ہیں ان کے اس فعل کو تعلیم اسلام نہیں قرار دیا جائے گا۔

اقول : بعض احناف اور بعض حنابلہ کا ہمیں جب تک پتہ نہیں چل جاتا کہ اس سے مراد کون لوگ ہیں، تب تک اس کی ہمارے نزدیک کوئی وقعت نہیں۔ اور علاء بن زیاد کے متعلق میں جواب دے چکا ہوں۔ ابن حزم اگرچہ اسے حرام نہیں سمجھتے، لیکن مکروہ ضرور سمجھتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں (نکرھه لانه لیس من مکارم الاخلاق، ولا من الفضائل) ۔﴿المحلی ج ۱۱ ص ۳۹۲﴾شوکانی نے جو رسالہ لکھا ہے، وہ اس کے حرام نہ ہونے کے متعلق ہے۔اس رسالے میں انہوں نے ان روایات کی تضعیف بیان کی ہے جو استمناء کے حرام ہونے کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں۔اور صحیح بات یہ ہے کہ اس حوالے سے کوئی حدیث ثابت نہیں۔نیز انہوں نے غالباً قرآن کریم کی آیت سے استدلال کو بھی غیر صحیح قرار دیا ہے۔بہرحال ان کے نزدیک استمناء حرام نہیں، بلکہ مکروہ ہے۔ حضرت حسن بصری سے جو قول منسوب ہے، اس کی سند میں اشکال ہے۔ضحاک سے اس قول کی سند ہمیں نہ مل سکی۔پس جان لیجئے کہ جمہور کے مطابق استمناء حرام ہے، بعض احناف اور حنابلہ کہتے ہیں کہ زنا کا خوف ہو، تو استمناء جائز ہے۔کسی حنفی یا حنبلی کا قول ہمیں نہیں ملا جو یہ کہتا ہو کہ استمناء مطلقاً مباح ہے۔اور ہمارے لئے جمہور کا قول کافی ہے کہ استمناء حرام ہے۔اور رہی یہ بات کہ اہلسنت علماء فتووں کے ذریعے اسلام کا جنازہ نکالتے ہیں، تو یہ کسی جاہل اور متعصب کا ایسا قول ہے کہ جس کو انصاف سے کبھی دور کا بھی واسطہ نہ رہا ہو۔اور نہ ہی اس جاہل کے واسطے یہاں پر شیعہ علماء کے مضحکہ خیز فتوے یہاں پر نقل کرنے کی ضرورت سمجھتا ہوں، کیونکہ اس جاہل کو ان فتووں کا علم بھی ہے۔

قولہ : ذیل میں علامہ مجلسی کے فتوی کو جس رنگ میں پیش کیا گیا ہے اس کا جواب ان ہی کے علماء کی تحریرات کی روشنی میں دیا جاتا ہے۔

سلفی عالم دین شیخ سلیمان بن عبداللہ الماجد ایک فتوی یوں صادر کرتے ہیں:

(الحمدلله اما بعد..الاستمناء بید الزوجه جائز.لعموم قوله تعالی:والذین هم لفروجهم حافظون الا علی ازواجهم الایه)

ساری حمد کا حقدار خدا ہے، اس کے بعد عرض ہے کہ استمناء بیوی کے ہاتھوں سے کروانا جائز ہے اس آیت کے عمومی عنوان کے تحت۔۔والذین ھم لفروجھم حافظون الاعلی ازواجھم۔۔اور جو اپنی شھوت کی جگہ کو تھامتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہے۔۔الی آخر

حواله :العشرة والفرقة بین الزوجین الاستمناء بالید او بید الزوجه

آ کر میں ہم ایک اہلسنت عالم دین کا فتوی نقل کرتے جو مقصد سمجھانے میں آسانی پیدا کر دیگا۔

ایک سائل یوں گویا ہوتا ہے:

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بیوی حیض یا نفاس کی حالت میں ہو یعنی بیوی قابل جمع نہ ہو جب کہ شوہر کا فعل حرام میں پڑنے کا امکان ہو یعنی اس جماع کی ضرورت ہو کیا وہ اس صورت میں اپنی بیوی کے ہاتھوں سے استمناء کرا سکتا ہے؟

جواب: ان اعذار کی وجہ سے یہ فعل مذکور جائز ہے ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

حوالہ :فتاوی دیوبند پاکستان المعروف به فتاوی فریدیه ۔جلد ۔٥صفحه ۔٢٤٤۔طبع ۔١٤٣٠ هجری

کیوں کلام صاحب عقل میں بات آئی ؟اب حیض ونفاس کی حالت میں جائز اور ویسے مکروہ تنزیہی وہ فعل ہے جس کو ترک کرنے کے مطالبہ میں شدت نہ پائی جائے۔اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ لینے کے دینے پڑ گئے ہیں۔

شیعی تراث سے استمناء کی حرمت : اب حوالے سے ہم صدہا تراث کو نقل کر سکتے ہیں، سردست بعض عنوانات کو نقل کرتے ہیں جس سے معاملہ کی تحلیل آسان ہو جائے گی، چنانچہ علامہ حر عاملی وسائل الشیعہ میں ایک عنوان قرار دیتے ہیں: باب تحریم الاستمناء یعنی استمناء کے حرام ہونے کا باب۔ اس کے اندر علامہ ۷ روایات نقل کرتے ہیں۔ حواله :وسائل الشیعه ۔جز ۔٢٠۔صفحه ۔٣٥٢۔٣٥٤

علامہ بروجردی اپنی بیش بہا کتاب میں ایک عنوان قرار دیتے ہیں باب تحریم الاستمناء یعنی استمناء کے حرام ہونے کا باب۔ حواله:جامع الحدیث الشیع جز ۔٢٠۔صفحه ۔٣٨١۔٣٨٣ میں کافی روایات کو نقل کرتے ہیں۔

روایات کا تذکرہ خوف طوالت کے تحت نہیں کیا گیا۔فی الحال ان تین فصول پر اکتفاء کی گیا ہے، اب مزید اب حملہ کیا گیا تو ویسے ہی سناٹے والا جواب آئے گا۔

اقول : مجلسی کی عبارت میں خیر طلب نے جو تحریف کی ہے، وہ سب کے سامنے ہے۔عبارت میں کھلم کھلا تحریف بھی کرتے ہیں اور ''سناٹے والا جواب'' کی بونگی مارتے ہوئے بھی شرم نہیں آتی۔ ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔اور میں نے استمناء بید زوجہ کی بات بھی قطعاً نہیں کی۔لیکن خیر طلب کی عادت پرانی ہے، جس چیز کا ذکر نہ ہو، اس کے متعلق حوالہ جات لا کر نجانے کن ''مومنین'' کے اشکالات دور کرتے رہتے ہیں۔پھر خیر طلب نے اپنی کتب سے استمناء کے حرام ہونے کی روایات کا ذکر کرتے ہیں، اور متعلقہ ابواب کا حوالہ دیتے ہیں۔میں کہتا ہوں کہ ہماری کتب تو استمناء کے حرام ہونے کے متعلق بھری پڑی ہیں، جن کا میں تذکرہ کروں تو ایک رسالہ آسانی سے مرتب ہو سکتا ہے۔یہ بات میرا مخالف بخوبی جانتا ہے، لہذا اس کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ یہاں پر استمناء کے متعلق کتب کے حوالے دینا شروع کروں۔اور اگر خیر طلب اس سے بے خبر ہے، تو بارہ حوالے صرف احناف کی کتب سے پیش کروں گا (انشاءاللہ)۔

متعہ کے حوالے سے خیر طلب کے تمام دلائل کا رد مکمل ہو گیا، قارئین سے ہماری درخواست ہے کہ دونوں فریقین کے دلائل کا مطالعہ کیجئے، اور آپ کو حق و باطل میں فرق بخوبی سمجھ میں آجائے گا۔ معتدل مزاج اہل تشیع جو کہ متعہ کو اپنی ماں بہنوں کے لئے عار سمجھتے ہیں، ان کو بھی متعہ کے متعلق صحیح رہنمائی حاصل ہوگی، نیز غلاۃ اور روافض جو متعہ کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوششیں کرتے ہیں، ان کا بطلان بھی واضح طور پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔آمین ثم آمین!

کلام

۱۴ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ

۲۱ستمبر ۲۰۱۳